اسلام اور سیاست
اِسلامی طرزِ حکومت، حکام پر عائد ذمہ داریاں، خلافت کے اُصول،
اسلام اور سیاست، ہماری سیاست اور اسلاف کی سیاست
میں فرق اور اسلامی حکومت کے دستور اور قوانین پر مبنی
ایک معلوماتی کتاب
مؤلف:
مولانا محمد شہزاد قادری ترابی
زاویہ
زاویہ پبلشرز
دربار مارکیٹ لاہور

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے یہ دنیا کا وہ واحد اور مکمل مذہب ہے جس میں پیدائش سے لے کر قبر میں اُتارنے تک کے ہر مسائل کا حل موجود ہے جب اس دین میں ہر چیز کا علم موجود ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس دین میں سیاست شامل نہ ہو۔ یقیناً سیاست بھی دین کا ایک حصّہ ہے بشرطیکہ وہ سچائی اور دیانتداری پر مبنی ہو۔

دینِ اسلام نے سیاست کا طریقۂ کار، سیاسی مسائل اور دیگر سیاسی معاملات کو بھی بڑی وسعت کے ساتھ بیان کیا ہے، ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کا سیاسی کردار، قرآنِ مجید میں موجود سیاسی پہلو، صحابہ کرام علیہم الرضوان کا سیاسی کردار، اہلبیتِ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا سیاسی کردار اور عادل مسلمان حکمرانوں کا سیاسی کردار ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔

ہمارے اسلاف کی سیاست بڑی پاکیزہ سیاست تھی اُن کی سیاست رعایا کے حقوق کے لئے تھی، اُن کی سیاست زمین پر عدل قائم کرنے کے لئے تھی، اُن کی سیاست مظلوموں کی حمایت کے لئے تھی، اُن کی سیاست نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے قیام کے لئے تھی، اُن کی سیاست اسلامی قوانین کے تحفّظ اور نفاذ کے لئے تھی، اُن کی سیاست اسلام کی دعوت عام کرنے کے لئے تھی، اُن کی سیاست عدلیہ کی آزادی کے لئے تھی، اُن کی سیاست ظالم و جابر لوگوں کو سزا دلوانے کے لئے تھی۔

پھر جب وہ حکمران بن جاتے تو اپنی سرزمین کو عدل وانصاف سے بھر دیتے، ربّ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتے رہتے، اسلامی قوانین کو اولین ترجیح دیتے، تمام فیصلے قرآن وسنّت کے مطابق کرتے، سب کو یکساں حقوق فراہم کرتے، غیر مُسلم

بادشاہوں کو دعوتِ اسلام دیتے، حکومت کو آزمائش کی چیز سمجھتے، بیت المال کو اپنا نہیں ملک وملّت کی امانت تصور کرتے، رعایا کی خبر گیری کرتے، اپنے آپ کو رعایا کے جان ومال کا امین سمجھتے، جذبۂ جہاد سے ہر وقت سرشار رہتے، اچھے مشیروں سے مشورے لیتے، ایمان دار اور متّقی حضرات کو عہدے عطا کرتے، رعایا کی شکایت پر بڑے سے بڑے عہدیدار کے خلاف جلد اور سخت ایکشن لیتے، خود بھی عمل کرتے اور رعایا کو بھی فرائض وواجبات کی تلقین کرتے، اپنے کردار سے رعایا بلکہ پوری دنیا کو متاثر کرتے حتیٰ کہ اُن کے دنیا سے رُخصت ہونے پر رعایا روتی اور افسوس کرتی۔

زیرِ نظر کتاب میں ہم نے کوشش کی ہے کہ ہر طریقے سے اسلاف کے سیاسی پہلو پر روشنی ڈالی جائے اس کے لئے ایک اچھے حکمران کی نشانی، اسلامی حکومت قائم کرنے کے طریقۂ کار، اچھا حکمران بننے کے لئے کن کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے علاوہ بہت اہم معاملات کا تذکرہ کیا ہے اگر عوام النّاس اس کتاب کی قدر سمجھیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہر پڑھنے والے کے لئے نافع بنائے، اس کے ذریعہ حکمرانوں اور عہدیداروں کو ہدایت نصیب کرے اور اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے اور ہر گھر میں اس پیغام کو پہنچائے۔ آمین، ثم آمین

فقط والسّلام

الفقیر محمد شہزاد قادری ترابی

☆☆☆☆☆

خلیفہ کے انتخاب کے اسلامی طریقے

درج ذیل سطور میں مختصر طور پر خلافت کی تعریف خلیفہ کی ذمہ داریاں، شرائط اور اس کے انتخاب کے اسلامی طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔

دینِ اسلام، اُن قوانین کے مجموعہ کا نام ہے جو دنیا وآخرت میں انسانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کی کامیابی اور بھلائی کا سامان فراہم کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اُمت مسلمہ کو ایسے امام کی ضرورت تھی جو سرکار دو عالم ﷺ کا نائب ہونے کی حیثیت سے تمام لوگوں کو دین کی پیروی کا پابند کرے تا کہ ہر آدمی اپنی حد پر قائم رہے اور حق کے سامنے طاقتور اور کمزور، صاحب حیثیت اور عام آدمی یکساں ہوں ایسا شخص دین کی حفاظت اور دنیاوی سیاست میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خلافت عامہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کے قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ احیاءِ دین میں یہ امور آئیں گے علوم دینیہ کا زندہ کرنا، ارکانِ اسلام، جہاد اور اس کے متعلقہ امور کا قائم کرنا، مثلاً لشکروں کا ترتیب دینا، مجاہدین کا وظیفہ مقرر کرنا اور مالِ غنیمت سے انہیں حصّہ دینا، مقدمات کے فیصلے کرنا، حدود کا قائم کرنا، ظلم کا قلع قمع کرنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔

(ازالۃ الخفاء، فارسی صفحہ ۲)

امام کا مقرر کرنا مخلوق پر واجب (علی الکفایہ) ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا تو وہ جاہلیت کی موت مرا، (لیکن اگر امام شرعی مقرر کرنے کی قدرت ہی نہ ہو تو امتِ مسلمہ معذور قرار دی جائے گی) نیز امتِ مسلمہ نے نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد امام کے تقرر کو اہم ترین واجب قرار

دیا، یہاں تک کہ آپ کو لحد مبارک میں اتارنے سے پہلے اس مسئلے کو طے کیا، تیسری وجہ یہ ہے کہ بہت سے واجبات شرعیہ امام پر موقوف ہیں اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ (شرح عقائد)

امام کے لئے کیا شرائط ہیں؟

عقائد نسفی اور اس کی شرح میں ہے کہ امام کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ولایت مطلقہ رکھتا ہو یعنی مسلمان، آزاد، عاقل وبالغ مرد ہو (شرح عقائد) کافر، غلام، پاگل اور نابالغ امام نہیں ہوسکتا، اسی طرح عورت سربراہِ مملکت نہیں بن سکتی۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قوتِ فیصلہ اور شوکتِ اقتدار کی بنا پر مسلمانوں کے معاملات میں فیصلوں پر عمل درآمد کر سکے اور اپنے علم، عدل اور شجاعت کی بنیاد پر اسلامی احکام نافذ کر سکے، اسلامی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت اور ظالموں سے مظلوموں کی دادرسی کر سکے۔ اس کے علاوہ ایک اہم شرط یہ ہے کہ قریش ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصاری کے سامنے یہ حدیث پیش کی ''اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ'' تمام امام قریش میں سے ہوں گے تو کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، لہٰذا اس پر اجماع سکوتی ہوگیا۔ خلیفہ کا انتخاب اور تقرر چار طریقوں سے ہوتا ہے۔

1)......اہل حل وعقد یعنی علماء، قضاۃ (جج صاحبان) امراء اور سرکردہ لوگ کسی اہلیت رکھنے والی شخصیت کی بیعت کریں۔ اس کے لئے ضروری نہیں کے تمام شہروں کے اہل حل وعقد متفق ہوں کیونکہ ایسا ہونا بہت مشکل ہے۔ البتہ ایک دو شخصوں کا بیعت کرنا بے فائدہ ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقے سے منعقد ہوئی (ازالۃ الخفاء) پاکستان کے موجودہ پارلیمانی انتخابات کا طریقہ، مغربی ممالک سے درآمد کیا گیا ہے، جس میں ہر عام وخاص کو ووٹ دینے کا حق ہے، چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، متقی ہو یا

فاسق بلکہ مسلمان ہو یا کافر، یہاں مفتی اعظم، شیخ الاسلام اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے ووٹ کی بھی وہی حیثیت ہے جو ایک عام آدمی مثلاً چپراسی اور بھنگی کے ووٹ کی ہے، علامہ اقبال نے کہا تھا کہ مغربی جمہوریت میں ووٹ گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے، ظاہر ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس طریقے کی تائید نہیں کی جاسکتی۔

2)......خلیفۂ عادل، مسلمانوں کے مفاد میں ایسے شخص کو نامزد کردے جو شرائط خلافت کا جامع ہو اور عوام وخواص کو اس پر متفق کردے اور وصیت کردے کہ میرے بعد اس کی اطاعت کی جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقے پر قائم ہوئی۔

3)......شورائی طریقہ، خلیفہ وقت، شرائط خلافت کی جامع ایک جماعت کو مقرر کردے کہ وہ اپنے اراکین میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں، چنانچہ خلیفہ کی وفات کے بعد وہ لوگ مشورے سے کسی ایک فرد کو منتخب کرلیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتخاب اسی طریقے پر ہوا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے چھ حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے دی کہ ان میں سے جسے چاہیں منتخب کرلیں۔

4)......غلبہ اور تسلط۔ خلیفۂ وقت کی وفات کے بعد جامعِ شرائط ایک شخص، خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور تالیفِ قلوب، دباؤ اور جنگ کے ذریعے لوگوں کی حمایت وتائید حاصل کرلیتا ہے اور خلیفہ بن جاتا ہے، ایسی صورت میں عوام الناس پر اس کے احکام کی تعمیل لازم ہے بشرطیکہ اس کے احکام، شریعت کے موافق ہوں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد اسی طریقے پر منعقد ہوئی۔

یہ چاروں طریقے حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں بیان کئے ہیں۔

﴾دستورِ اسلامی کی پہلی شِق﴿

القرآن :......**ترجمہ:** اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن کی جو تم میں امر والے ہوں پھر اگر تم جھگڑا کرو کسی چیز میں تو اُسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔ (سورۂ نساء، آیت 59، پارہ 5)

تفسیر

سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مُسلم امراء وحُکّام کی اطاعت واجب ہے جب تک وہ حق کے موافق رہیں اور اگر حق کے خلاف حکم کریں تو اُن کی اطاعت واجب نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ احکام تین قسم کے ہیں ایک وہ جو ظاہر کتاب یعنی قرآنِ مجید سے ثابت ہوں، ایک وہ جو ظاہر حدیث سے ایک وہ جو قرآن وحدیث کی طرف بطریق قیاس رجوع کرنے سے اولی الامر میں امام، امیر، بادشاہ، حاکم، قاضی سب داخل ہیں خلافت کاملہ تو زمانۂ رسالت کے بعد تیس سال رہی مگر خلافت ناقصہ خُلفاء عباسیہ میں بھی تھی اور اب تو امامت بھی نہیں پائی جاتی، کیونکہ امام کے لئے قریش میں سے ہونا شرط ہے اور یہ بات اکثر مقامات میں معدوم ہے لیکن سلطنت وامارت باقی ہے اور چونکہ سلطان وامیر بھی ''اولی الامر'' میں داخل ہیں اس لئے ہم پر ان کی اطاعت بھی لازم ہے۔

﴾حاکم کی اطاعت﴿

الحدیث:......حضرت ام الحصین احمسیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر سرکارِ اعظم ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے سُنا کہ آپ پر چادر مبارک تھی جِسے آپ

نے بغل مبارک کے نیچے سے لپیٹ رکھا تھا، فرماتی ہیں میں نے آپ کے بازو کے پٹھے کو حرکت کرتے دیکھا آپ نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگرچہ تم پر مقطوع الاعضاء حبشی غلام ہی مقرّر کیا جائے اس کی بات سنو اور اس کا حکم مانو جب تک کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق حکم جاری کرے۔

(ترمذی شریف جلد اوّل، حدیث 1760، صفحہ 828 مطبوعہ فرید بک لاہور)

الحدیث:...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار اعظم ﷺ نے فرمایا مسلمان پر حاکم کی بات سُننا اور ماننا فرض ہے چاہے پسند کرے یا نہ کرے جب تک کہ اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے اگر وہ گناہ کا حکم دیتا ہے تو اب نہ سُننا فرض ہے اور نہ ماننا۔ (ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث 1761، صفحہ 828، مطبوعہ فرید بک لاہور)

فائدہ:...... حاکم کی اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سرکارِ اعظم ﷺ کی اطاعت کرے اگر وہ گناہ کا حکم دے تو نہ اطاعت کرنا فرض ہے نہ سُننا۔

حکمران میں کِن صفّات کا ہونا ضروری ہے

حضرت عاصم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیماری میں لوگوں کو جمع کیا پھر ایک آدمی کو حکم دیا جو آپ کو اُٹھا کر منبر پر لے گیا۔ چنانچہ یہ آپ کا آخری بیان تھا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا:

''اے لوگو! دنیا سے بچ کر رہو اور اس پر بھروسہ نہ کرو یہ بہت دھوکہ باز ہے اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دو اور اس سے محبت کرو کیونکہ ان دونوں میں سے کسی ایک سے محبت کرنے سے ہی دوسرے سے بُغض پیدا ہوتا ہے اور ہمارے تمام معاملات امرِ خلافت کے تابع ہیں اس امرِ خلافت کے آخری حصّہ کی اصلاح اسی طریقہ سے ہوگی جس طریقہ سے اس کے ابتدائی حصّہ کی ہوئی تھی۔ اس امرِ خلافت کا بوجھ وہی اُٹھا

سکتا ہے جو تم میں زیادہ طاقت والا ہو اور اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو پانے والا ہو، سختی کے موقع پر خوب سخت اور نرمی کے موقع پر خوب نرم ہو، اور شوریٰ والے اہلِ رائے کی رائے کو خوب جانتا ہو، لایعنی میں مشغول نہ ہوتا ہو، جو بات ابھی پیش نہ آئی ہو اس کی وجہ سے غمگین و پریشان نہ ہو، علم سیکھنے سے شرماتا نہ ہو، اچانک پیش آجانے والے کام سے گھبراتا نہ ہو، مال کے سنبھالنے میں خوب مضبوط ہو اور غصّہ میں آکر کمی زیادتی کر کے مال میں خیانت بالکل نہ کرے اور آئندہ پیش آنے والے اُمور کے لئے تیاری رکھے اور احتیاط اور چوکنّا پن اور اطاعتِ خداوندی سے ہر وقت آراستہ ہو اور ان تمام صفات کے حامل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔''

یہ بیان فرما کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔ (ابنِ عساکر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایسی خدمت کی کہ ان کے گھر والوں میں کوئی بھی ویسی نہ کر سکا اور میں نے ان کے ساتھ شفقت کا ایسا معاملہ کیا کہ ان کے گھر والوں میں سے کوئی بھی ویسا نہ کر سکا۔ ایک دن میں ان کے گھر میں ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ مجھے اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے اور میرا بہت اِکرام فرمایا کرتے تھے اتنے میں انہوں نے اتنے زور سے آہ بھری کہ مجھے خیال ہوا کہ اس سے ان کی جان نکل جائے گی۔ میں نے کہا اے امیر المؤمنین! کیا آپ نے آہ کسی چیز سے گھبرا کر بھری ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں گھبرا کر بھری ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا ذرا نزدیک آجاؤ۔ چنانچہ میں ان کے بالکل قریب ہو گیا، تو فرمایا میں کسی کو اس امرِ خلافت کا اہل نہیں پا رہا ہوں، میں نے کہا فلاں، فلاں اور فلاں، فلاں اور فلاں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے سامنے چھ اہلِ شوریٰ کے نام گنائے۔ جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چھ میں سے ہر ایک کے بارے میں کچھ نہ کچھ بات فرمائی، پھر فرمایا اس امرِ

خلافت کی صلاحیت صرف وہی آدمی رکھتا ہے جو مضبوط ہو لیکن سخت اور دُرشت نہ ہو۔ نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو، سخی ہو لیکن فضول خرچ نہ ہو۔ احتیاط سے خرچ کرنے والا ہو لیکن کنجوس نہ ہو۔ (ابن سعد)

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عمر بن خطاب ؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں انہوں نے اتنے زور سے سانس لیا کہ میں سمجھا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئی ہیں ۔ میں نے کہا اے امیر المؤمنین ! آپ نے کسی بڑی پریشانی کی وجہ سے اتنا لمبا سانس لیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں کسی بڑی پریشانی کی وجہ سے لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں اپنے بعد یہ امرِ خلافت کس کے سپرد کروں؟ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا شاید تم اپنے ساتھی (حضرت علی ؓ) کو اس امرِ خلافت کا اہل سمجھتے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں! بیشک وہ اس امرِ خلافت کے اہل ہیں۔ کیونکہ وہ شروع میں مسلمان ہوئے تھے اور بڑے فضل و کمال والے ہیں۔ انہوں نے فرمایا بیشک وہ ایسے ہی ہیں جیسے تم نے کہا لیکن وہ ایسے آدمی ہیں کہ ان میں دِل لگی اور مذاق کی عادت ہے۔ پھر ان کا تذکرہ کرتے رہے اور پھر فرمایا اس امرِ خلافت کی صلاحیت صرف وہ آدمی رکھتا ہے جو مضبوط ہو لیکن دُرشت نہ ہو اور نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو اور سخی ہو لیکن فضول خرچ نہ ہو اور احتیاط سے خرچ کرنے والا ہو لیکن کنجوس نہ ہو، حضرت ابن عباس ؓ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تمام صفات تو صرف حضرت عمر ؓ ہی میں پائی جاتی تھیں۔

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر ؓ کی خدمت کیا کرتا تھا ان سے ڈرا بھی بہت کرتا تھا اور ان کی تعظیم بھی بہت کیا کرتا تھا۔ میں ایک دن ان کی خدمت میں ان کے گھر حاضر ہوا وہ اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اتنے زور سے سانس لیا کہ میں سمجھا کہ ان کی جان نِکل گئی ہے پھر انہوں نے آسمان کی طرف سر اُٹھا

کر بہت لمبا سانس لیا۔ میں نے ہمت سے کام لیا اور کہا میں ان سے اس بارے میں ضرور پوچھوں گا۔ چنانچہ میں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ نے کسی بڑی پریشانی کی وجہ سے اتنا لمبا سانس لیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں اللہ کی قسم! مجھے سخت پریشانی ہے اور وہ یہ ہے کہ مجھے کوئی بھی اس امرِ خلافت کا اہل نہیں مل رہا ہے۔ پھر فرمایا شاید تم یوں کہتے ہو گے کہ تمہارے ساتھی یعنی حضرت علی ؓ اس امرِ خلافت کے اہل ہیں۔ میں نے کہا اے امیر المؤمنین! انہیں ہجرت کی سعادت بھی حاصل ہے اور وہ حضور ﷺ کے صحبت یافتہ بھی ہیں اور حضور ﷺ کے رشتہ دار بھی ہیں کیا وہ ان تمام اُمور کی وجہ سے خلافت کے اہل نہیں ہیں؟ حضرت عمر ؓ نے فرمایا تم جیسے کہہ رہے ہو وہ ایسے ہی ہیں لیکن ان کی طبیعت میں مزاح اور دل لگی، پھر وہ حضرت علی ؓ کا تذکرہ فرماتے رہے پھر یہ فرمایا کہ خلافت کی ذمّہ داری صرف وہی شخص اُٹھا سکتا ہے جو نرم ہو لیکن کمزور نہ ہو اور مضبوط ہو لیکن سخت نہ ہو اور سخی ہو لیکن فضول خرچ نہ ہو، اور احتیاط سے خرچ کرنے والا ہو لیکن کنجوس نہ ہو اور پھر فرمایا اس خلافت کو سنبھالنے کی طاقت صرف وہی آدمی رکھتا ہے جو بدلہ لینے کے لئے دوسروں سے حسنِ سلوک نہ کرے اور ریاکاروں کی مُشابہت اختیار نہ کرے اور لالچ میں نہ پڑے اور اللہ کی طرف سے سونپی ہوئی خلافت کی ذمّہ داری کی طاقت صرف وہی آدمی رکھتا ہے جو اپنی زبان سے ایسی بات نہ کہے جس کی وجہ سے اپنا عزم توڑنا پڑے اور اپنی جماعت کے خلاف بھی حق کا فیصلہ کر سکے۔ (ابنِ عساکر)

حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں اس امرِ خلافت کا ذِمّہ دار اس شخص کو ہی بننا چاہیے جس میں یہ چار خوبیاں پائی جاتی ہوں ۔ نرمی ہو لیکن کمزوری نہ ہو۔ مضبوطی ہو لیکن درشتی نہ ہو، احتیاط سے خرچ کرتا ہو لیکن کنجوسی نہ ہو اور سخاوت ہو لیکن فضول خرچی نہ ہو، اگر اس میں ان میں سے ایک خوبی بھی نہ ہوئی تو باقی تینوں خوبیاں بیکار ہو جائیں

گی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اللہ کے اس کام کو ٹھیک طرح سے وہی کرسکتا ہے جو
بدلہ لینے کے لئے دوسروں سے حسنِ سلوک نہ کرے اور ریا کاروں کی مُشابہت اختیار
نہ کرے اور لالچ میں نہ پڑے۔ اس میں اپنی عزّت بنانے کا جذبہ نہ ہو اور تیزی
اور غصّہ کے باوجود حق کو نہ چھپائے۔ (ابنِ عساکر)

حضرت سُفیان بن ابی العوجا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک
مرتبہ فرمایا خدا کی قسم! مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ ہوں؟ اگر میں
بادشاہ ہوں تو یہ بڑے (خطرے کی) بات ہے۔ (حاضرین میں سے) ایک نے کہا ان
دونوں میں تو بڑا فرق ہے۔ خلیفہ تو ہر چیز حق کی وجہ سے لیتا ہے اور پھر اسے حق میں ہی
خرچ کرتا ہے اور اللہ کے فضل سے آپ ایسے ہی ہیں۔ اور بادشاہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے
ایک سے زبردستی لیتا ہے اور دوسرے کو ناحق دیتا ہے۔ (یہ سُن کر) حضرت عمرؓ
خاموش ہو گئے، حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان سے
پوچھا کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ؟ حضرت سلمانؓ نے ان سے کہا اگر آپ نے
مسلمانوں کی زمین سے ایک درہم یا اس سے کم وبیش (ظلماً) لیا ہے اور پھر اسے ناحق
خرچ کیا ہے تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ رو پڑے۔
(کنز العمال)

قبیلہ بنو اَسَد کے ایک آدمی کہتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کی مجلس میں موجود تھا۔
انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا جن میں حضرت طلحہ، حضرت سلمان، حضرت
زبیر اور حضرت کعب رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ فرمایا کہ میں تم سے ایک چیز کے بارے
میں پوچھنے لگا ہوں۔ تم مجھے غلط جواب نہ دینا ورنہ مجھے اور اپنے آپ کو ہلاک کر دو گے،
میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟ حضرت طلحہؓ
اور حضرت زبیرؓ نے کہا آپ ہم سے ایسی بات پوچھ رہے ہیں جسے ہم جانتے نہیں

ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے؟ حضرت سلمانؓ
نے کہا میں پورے اِنشراحِ صَدَر کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ آپ خلیفہ ہیں اور بادشاہ
نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم یہ بات کہہ رہے ہو تو تمہیں ایسے فیصلہ کن
انداز میں یہ بات کہنے کا حق ہے کیونکہ تم حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی
مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ پھر حضرت سلمانؓ نے کہا میں نے یہ بات اس وجہ
سے کہی ہے کہ آپ رعایا میں انصاف کرتے ہیں اور ان میں (ہر چیز) برابر تقسیم کرتے
ہیں اور ان کے ساتھ ایسی شفقت ومحبت کا معاملہ کرتے ہیں جیسے کوئی آدمی اپنے گھر
والوں کے ساتھ کرتا ہے اور آپ ہر فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کرتے ہیں۔ اس پر
حضرت کعبؓ نے فرمایا میرا خیال نہیں تھا کہ اس مجلس میں میرے علاوہ بھی کوئی
آدمی ایسا ہے جو خلیفہ اور بادشاہ کے فرق کو جانتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت
سلمانؓ کو حکمت اور علم سے بھرا ہوا ہے۔ پھر حضرت کعبؓ نے فرمایا میں اس
بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ خلیفہ ہیں اور بادشاہ نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا
آپ یہ گواہی کس بنیاد پر دے رہے ہیں؟ حضرت کعبؓ نے کہا میں آپ کا ذکر اللہ
کی کتاب (یعنی تورات) میں پاتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا اس میں میرا ذکر
میرے نام کے ساتھ ہے؟ حضرت کعبؓ نے کہا نہیں، بلکہ آپ کا ذکر آپ کی
صفات کے ساتھ ہے۔ چنانچہ تورات میں اس طرح ہے کہ پہلے نبوت ہوگی۔ پھر
نبوّت کے طریقے پر خلافت اور رحمت ہوگی۔ اس کے بعد ایسی بادشاہت ہوگی جس
میں کچھ ظلم بھی ہوگا۔

﴿خلیفہ کی نرمی اور سختی کا بیان﴾

حضرت سعید بن مُسَیَّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے گئے

تو انہوں نے حضور ﷺ کے منبر پر (کھڑے ہوکر) بیان فرمایا۔ پہلے اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا:

''اے لوگو! مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ مجھ میں سختی اور دُرشتی دیکھتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ہوتا تھا۔ میں آپ کا غلام اور خادم تھا اور (آپ کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا ہے، بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ. (ایمان داروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق مہربان ہیں) آپ واقعی ایسے ہی (بڑے ہی شفیق اور مہربان) تھے۔ اس لئے میں آپ کے سامنے سُتی ہوئی ننگی تلوار کی طرح رہتا تھا۔ اگر آپ مجھے نیام میں ڈال دیتے یا مجھے کسی کام سے روک دیتے تو میں رُک جاتا۔ ورنہ میں آپ کی نرمی کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ سختی سے پیش آتا۔ حضور ﷺ کی زندگی میں میرا یہی طرز رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنے ہاں بلا لیا اور ظاہری پردہ فرماتے وقت حضور ﷺ مجھ سے راضی تھے۔ میں اس پر اللہ کا بہت شکر ادا کرتا ہوں۔ اور اسے اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں۔ پھر حضور ﷺ کے بعد ان کے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرا یہی رویّہ رہا۔ آپ لوگ ان کے کرم، تواضُع اور نرم مزاجی کو جانتے ہی ہیں۔ میں ان کا خادم تھا اور ان کے سامنے سُتی ہوئی تلوار کی طرح رہتا تھا، میں اپنی سختی کو ان کی نرمی کے ساتھ ملا دیتا تھا، اگر وہ کسی معاملہ میں خود پہل کر لیتے تو میں رُک جاتا، ورنہ میں اقدام کر لیتا اور ان کے ساتھ میرا یہی رویّہ رہا۔ یہاں تک کہ اُن کا وصال ہو گیا وصال کے وقت وہ مجھ سے راضی تھے۔ میں اس پر اللہ کا بڑا شکر ادا کرتا ہوں اور میں اسے اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں اور آج تمہارا مسئلہ میری طرف منتقل ہو گیا ہے۔ (کیونکہ میں خلیفہ بنا دیا گیا ہوں) مجھے معلوم ہے کہ بعض لوگ یہ کہیں گے کہ جب خلیفہ دوسرے تھے (عمر رضی اللہ عنہ نہیں تھے) تو یہ ہم پر سختی کیا کرتے تھے اب جب کہ یہ خود خلیفہ بن گئے ہیں تو اب ان کی سختی کا کیا حال ہوگا۔ تم پر واضح ہو جانا چاہیے کہ تمہیں میرے بارے میں

کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے تم مجھے پہچانتے بھی ہو اور تم لوگ میرا تجربہ بھی کر چکے ہو۔ اور اپنے نبی ﷺ کی سُنّت جتنی میں جانتا ہوں اتنی تم بھی جانتے ہو۔ اور حضور ﷺ سے میں نے ہر بات پوچھ رکھی ہے، اب مجھے (ضرورت کی) کسی بات کے نہ پوچھنے پر ندامت نہیں ہے، تم اچھی طرح سے سمجھ لو کہ اب جب کہ میں خلیفہ بن گیا ہوں تو اب میری سختی جو تم دیکھتے تھے وہ کئی گنا بڑھ گئی ہے لیکن یہ سختی اس انسان کے خلاف ہوگی جو ظلم اور زیادتی کرے گا اور یہ سختی طاقتور مسلمان سے حق لے کر کمزور مسلمان کو دینے کے لئے ہوگی اور میں اپنی اس سختی کے باوجود اپنا رخسار تمہارے ان لوگوں کے لئے بچھا دوں گا جو پاک دامن ہوں گے اور غلط کاموں سے رکیں گے اور بات مانیں گے اور مجھے اس بات سے بھی انکار نہیں ہے کہ اگر میرے اور تم میں سے کسی کے درمیان کسی فیصلہ کے بارے میں اختلاف ہو جائے تو تم جسے پسند کرو میں اس کے ساتھ اس کے پاس چلا جاؤں گا اور وہ (ثالِث) میرے اور اس کے درمیان جو فیصلہ کرے گا وہ مجھے منظور ہوگا۔ اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اور اپنے بارے میں اس طرح میری مدد کرو کہ میرے پاس (ادھر اُدھر کی ساری) باتیں نہ لاؤ اور میرے نفس کے خلاف میری اس طرح مدد کرو کہ (جب ضرورت پیش آئے تو) مجھے نیکی کا حکم کرو اور مجھے بُرائی سے روکو اور تمہارے جن اُمور کا اللہ نے مجھے والی بنا دیا ہے ان میں تم میرے ساتھ پوری خیر خواہی کرو۔'' پھر آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔
(حاکم)

حضرت محمد بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع ہوئے اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے (بات کرنے میں) سب سے زیادہ جَری حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے، چنانچہ ان حضرات نے (ان سے) کہا اے عبد الرحمٰن!

کیا ہی اچھا ہو کہ آپ لوگوں کے بارے میں امیر المؤمنین سے بات کرلیں اور ان سے یہ کہیں کہ بہت سے حاجت مند لوگ آتے ہیں لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے آپ سے بات نہیں کر پاتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری کئے بغیر ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے امیر المؤمنین! آپ لوگوں کے ساتھ نرمی اختیار فرمائیں، کیونکہ بہت سے ضرورت مند آپ کے پاس آتے ہیں لیکن آپ کے رُعب اور ہیبت کی وجہ سے آپ سے بات نہیں کر پاتے ہیں، اور آپ سے اپنی ضرورت کہے بغیر ہی واپس چلے جاتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات کرنے کو کہا ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا جی ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ! اللہ کی قسم! میں نے لوگوں کے ساتھ اتنی نرمی اختیار کی کہ اس نرمی پر اللہ سے ڈرنے لگا (کہ کہیں وہ اس نرمی پر پکڑ نہ فرمالے) پھر میں نے لوگوں پر اتنی سختی اختیار کی کہ اس سختی پر اللہ سے ڈرنے لگا (کہ کہیں وہ اس سختی پر میری پکڑ نہ فرمالے) اب تم ہی بتاؤ کہ چھٹکارا کی کیا صورت ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ وہاں سے روتے ہوئے چادر گھسیٹتے ہوئے اُٹھے اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے تھے ہائے افسوس! آپ کے بعد ان کا کیا بنے گا (ہائے افسوس! آپ کے بعد ان کا کیا بنے گا)۔

(ابنِ عساکر)

ابونعیم اپنی کتاب حِلیَہ میں حضرت شَعْبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم! میرا دل اللہ کے لئے اتنا نرم ہوا کہ مکھن سے بھی زیادہ نرم ہو گیا اور (اسی طرح) میرا دل اللہ کے لئے اتنا سخت ہوا کہ پتّھر سے بھی زیادہ سخت

ہو گیا۔

ابنِ عساکر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان سے ایک صاحب نے کہا کہ بعض لوگوں نے اس بات کی کوشش کی کہ یہ خلافت آپ کو نہ ملے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کس وجہ سے؟ اس نے کہا ان کا یہ خیال تھا کہ آپ بہت سخت ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میرا دل لوگوں کی شفقت سے بھر دیا اور لوگوں کے دِل میں میرا رُعب بھر دیا۔ (کنز العمال)

جن لوگوں کی نقل وحرکت سے اُمّت میں انتشار پیدا ہو، انہیں روکے رکھنا

حضرت شَعْبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اِنتقال ہوا تو اس وقت قریش (کے بعض خاص حضرات) ان سے اُکتا چکے تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ میں روک رکھا تھا (اور ان کے باہر جانے پر پابندی لگا رکھی تھی) اور ان پر خوب خرچ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے اس اُمّت کے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ تمہارے مختلف شہروں میں پھیلنے سے معلوم ہوتا ہے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پابندی مہاجرین میں سے بعض خاص حضرات پر لگا رکھی تھی) اور مہاجرین کے ان خاص حضرات کے علاوہ اور اہلِ مکّہ پر پابندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں لگائی تھی۔ چنانچہ جن مہاجرین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ رہنے کا پابند بنا رکھا تھا ان میں سے کوئی جہاد میں جانے کی اجازت مانگتا تو اس سے فرماتے کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو غزوات کے سفر کر چکے ہو وہ منزلِ مقصود یعنی جنت کے اعلیٰ دَرَجات تک پہنچنے کے لئے کافی ہیں۔ آج تو غزوہ میں جانے سے تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ (یہاں مدینہ ہی میں رہو) نہ تم دنیا کو

دیکھو اور نہ دنیا تمہیں دیکھے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ یہ چند خاص حضرات اگر مختلف علاقوں میں چلے جائیں گے تو وہاں کے مسلمان ان کی ہی صحبت پر اِکتفاء کرلیں گے اور مدینہ نہیں آیا کریں گے اور یوں ان کا امیر المؤمنین سے اور مرکزِ اسلام سے تعلق کمزور ہوجائے گا۔ اگر یہ حضرات مدینہ ہی میں رہیں گے تو ساری دنیا کے مسلمان مدینہ آیا کریں گے اور اس طرح ان کا امیر المؤمنین اور مرکزِ اسلام سے تعلق کمزور ہوجائے گا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان حضرات سے یہ پابندی اُٹھالی اور انہیں جانے کی اجازت دے دی، یہ حضرات مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور وہاں کے مسلمانوں نے ان حضرات کی صحبت پر ہی اِکتفاء کرلیا۔ اس حدیث کے راوی حضرت محمد اور حضرت طلحہ کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی کمزوری تھی جو اسلام میں داخل ہوئی اور یہی سب سے پہلا فتنہ تھا جو عوام میں پیدا ہوا (کہ مقامی حضرات سے تعلق زیادہ ہوگیا اور امیر المؤمنین اور مرکزِ اسلام سے تعلق کم ہوگیا)۔ (ابن عساکر)

حضرت قیس بن ابی حازم کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جہاد میں جانے کی اجازت لینے کے لئے آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنے گھر میں بیٹھے رہو۔ تم حضور ﷺ کے ساتھ بہت غزوے کرچکے ہو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بار بار اِصرار کرنے لگے، تیسری یا چوتھی مرتبہ کے اِصرار پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ، کیونکہ اللہ کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر تم اور تمہارے ساتھی نِکل کر اَطرافِ مدینہ میں چلے جاؤ گے تو تم لوگ حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف فتنہ پیدا کردو گے۔ (الحاکم)

﴿اسلامی ریاست کے اصول﴾

القرآن:...... ترجمہ: اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ

ورسول کچھ حکم فرمادیں تو اُنہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔ (سورۂ احزاب، آیت 36، پارہ 22)

القرآن:...... ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو قبول کیا اور نماز قائم رکھی اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ (سورۂ شوریٰ، آیت 38، پارہ 25)

القرآن:...... ترجمہ: تو اسی لئے بُلاؤ اور ثابت قدم رہو جیسا تمہیں حکم ہوا ہے اور ان کی خواہشوں پر نہ چلو اور کہو کہ میں ایمان لایا اس پر جو کوئی کتاب اللہ نے اُتاری اور مجھے حکم ہے کہ میں تم میں انصاف کروں اللہ ہمارا اور تمہارا سب کا رَبّ ہے ہمارے لئے ہمارا عمل اور تمہارے لئے تمہارا کیا کوئی حُجّت نہیں ہم میں اور تم میں اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔ (سورۂ شوریٰ، آیت 15 پارہ 25)

﴿اسلامی ریاست کی ذمّہ داری﴾

القرآن:...... ترجمہ: تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول کے ذمّہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی فرمانبرداری کروگے راہ پاؤ گے اور رسول کے ذمّہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔ اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور اُنہیں زمین میں خلافت دے گا۔ جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو وہی لوگ بے حکم ہیں اور نماز برپا رکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اس اُمید پر کہ تم پر رحم ہو۔ (سورۂ نور، آیت 54 تا 56، پارہ 18)

خلافت کا صحیح مفہوم

القرآن:……**ترجمہ:** اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین پر نائب کیا تو لوگوں میں سچّا حکم کر اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی بیشک وہ جو اللہ کی راہ سے بہکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس پر کہ وہ حساب کے دن کو بھول بیٹھے۔(سورۂ ص، آیت 26، پارہ 23)

خلافت کا بیان

الحدیث:……سعید بن جمہان حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری اُمّت میں خلافت تیس سال رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔(بحوالہ: ترمذی شریف جلد دوم، حدیث 106، صفحہ 58 مطبوعہ فرید بُک لاہور)

خُلفاء کا بیان

الحدیث:……حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا میرے بعد بارہ امیر ہوں گے پھر آپ ﷺ نے کچھ فرمایا جو میری سمجھ میں نہ آسکا میں نے اپنے ہم نشین سے پوچھا تو اس نے کہا آپ نے فرمایا ہے تمام کے تمام قریش ہوں گے۔(بحوالہ: ترمذی شریف جلد دوم، حدیث 103، صفحہ 57، مطبوعہ فرید بک لاہور)

تا قیامت خُلفاء قریش سے ہوں گے

الحدیث:……حبیب بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن ابی ہزیل کو کہتے ہوئے سُنا قبیلہ ربیعہ کے کچھ لوگ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس تھے قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے کہا یا تو قریش (فسق و فجور سے) باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ حکومت ان کے غیر جمہور عرب کے سُپرد کر دے، حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا تو نے جھوٹ کہا، میں نے سرکارِ اعظم ﷺ سے سُنا آپ ﷺ نے فرمایا قیامت تک خیر و شر میں قریش

ہی کے لوگوں کے حُکمران ہوں گے۔

(بحوالہ: ترمذی شریف جلد دوم، حدیث 108، صفحہ 59 مطبوعہ فرید بک لاہور)

یعنی حکومت کا استحقاق قریش کو ہے جاہلیت میں بھی یہ لوگ حاکم و رئیس رہے اور اسلام میں بھی حقِ خلافت ان ہی کے لئے مقرر ہوا مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ حاکمِ اسلام اگر قریشی نہ ہو تو اس کی اطاعت واجب نہ ہوگی، غایۃ مافی الباب کی اصطلاحِ شرع میں اس کو امام و خلیفہ نہ کہیں گے مگر وجوب اطاعت کا مستحق ہونا امام و خلیفہ ہی کے ساتھ کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب اطاعت کے لئے امارت و سلطنت بھی کافی ہے یعنی مسلمان حاکم و سلطان کی بھی اطاعت واجب ہے اور اس کی بغاوت اور مخالفت جائز نہیں اگرچہ وہ فاسق اور ظالم ہی کیوں نہ ہو۔

حکومت کی خواہش کرنے کی ممانعت

الحدیث:……حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا عہدوں کی خواہش نہ کرو۔ اگر تمہیں حکومت مِل گئی تو تُو چھوڑ دیا جائے گا اور اگر بِن مانگے تجھے حکومت مِل جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف تیری امداد کی جائے گی۔

(سُنن نسائی جلد سوم، حدیث 5389، مطبوعہ فرید بُک لاہور)

جو عہدہ کا طلبگار ہوا اُسے عہدہ نہ دیا جائے

الحدیث:……حضرت سیّدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میرے پاس قبیلۂ اشعر کے کچھ لوگ آئے اور کہا کہ ہمیں سرکارِ اعظم ﷺ کی خدمت میں لے چلو ہمیں کام ہے میں اُن کا ساتھ گیا اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں کسی عہدے پر فائز فرمائیے۔ میں نے ان کا یہ مطالبہ سُنا تو آپ کی خدمت میں معذرت کر دی اور عرض کیا یا رسول

اللہ ﷺ مجھے علم نہیں تھا کہ اس غرض سے آئے ہیں وگرنہ میں اُنہیں اپنے ساتھ نہ لاتا۔ سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا آپ سچ کہتے ہیں اور میری معذرت کو شرفِ قبولیت بخشا بعد ازاں ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم میں سے جو شخص کسی عہدے کا طلبگار ہوتا ہے ہم اُسے کام پر نہیں لگاتے۔ (سنن نسائی، جلد سوم، حدیث 5387 صفحہ 452 مطبوعہ فرید بک لاہور)

حکومت کی لالچ قیامت کے دن ندامت ہوگی

الحدیث:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم حکومت کا لالچ کرتے ہو حالانکہ یہ امارت قیامت کے دن ندامت، حسرت اور شرمندگی ہوگی حکومت جب ملتی ہے تو اس قدر اچھی اور پسندیدہ ہوتی ہے جیسے بچّہ دودھ پیتے وقت خوش وخرم ہوتا ہے لیکن جب حکومت چلی جاتی ہے (اور انسان کو اس کے اعمالِ بد کی سزا ملتی ہے) تو اس وقت اس طرح تکلیف ہوتی ہے جیسے بچہ کو دودھ چُھڑاتے وقت تکلیف ہوتی ہے۔ (سنن نسائی، جلد سوم، حدیث 5390، صفحہ 453 مطبوعہ فرید بک لاہور)

اس حدیث سے چار باتیں سامنے آئیں:

1)......حکومت کی لالچ قیامت کے دن ندامت، حسرت اور شرمندگی کا باعث ہوگی۔

2)......حکومت ملنا وقتی طور پر آرام وآسائش ہے جیسے بچہ دودھ پیتے وقت وقتی طور پر خوش وخرم ہوتا ہے اس نادان بچے کو کیا معلوم کہ یہ خوشی وقتی ہے۔

3)......حکومت میں رہ کر انسان ظلم وجبر کرتا ہے یا کرواتا ہے جس کی سزا اُسے حکومت کے چلے جانے کے بعد ذلت ورسوائی اور بدنامی کی صورت میں اُٹھانا پڑتی ہے۔

4)......حکومت کے چلے جانے پر ایسی تکلیف اور رنج وملال جو آسائشیں، پروٹوکول، اثر ورسوخ، شہرت، عزّت، مال ودولت کی فراوانی کے چلے جانے سے ہوتا ہے وہ ایسا رنج وملال اور تکلیف دہ ہے جیسے نادان بچے کو دودھ کے چھوڑتے وقت تکلیف

پہنچاتا ہے۔

حاکمِ منصف کی تعریف

القرآن:......ترجمہ: اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہوں۔ (سورۂ حدید، آیت 25 پارہ 27)

القرآن:......ترجمہ: اے ایمان والو! مضبوطی سے قائم رہنے والے ہوجاؤ اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی دیتے رہو اور نہ برانگیختہ کرے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس بات پر کہ تم عدل نہ کرو (ہمیشہ) عدل کرتے رہو وہ پرہیزگاری سے زیادہ نزدیک ہے۔ (سورۂ مائدہ، آیت 8 پارہ 6)

اِن دونوں آیات میں انصاف کا حکم دیا گیا اور انصاف کو پرہیزگاری سے بہت زیادہ قریب بتایا گیا۔ اب احادیثِ مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

الحدیث:......حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا عدل وانصاف کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے ستونوں پر ہوں گے خدا تعالیٰ کی دائیں جانب وہ اہلِ عدل جو اپنے حکم اور اہلِ خانہ کے معاملات اور جن چیزوں میں اُنہیں حکم کا اختیار ہے اس میں انصاف کرتے ہیں۔

(سُنن نسائی، جلد سوم حدیث 5384 کتاب ادب القضاۃ صفحہ 450، مطبوعہ فرید بک لاہور)

الحدیث:......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس روز (قیامت کے روز) سات شخصوں کو اپنے سائے (رحمت کے سائے) میں رکھے گا جس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے (کی رحمت) کا سایہ نہ ہوگا ایک تو امامِ عادل (انصاف کرنے والا حکمران)، دوسرا وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بڑھتا چلا جائے، تیسرا وہ شخص جس نے علیٰحدگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں سے

آنسو چھلک پڑے، چوتھا وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہے، پانچویں وہ دو اشخاص جو محض اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں دوست ہیں، چھٹا وہ شخص جِسے صاحبِ جمال اور رتبے والی عورت بُلائے اور وہ خُدا تعالیٰ سے ڈر کر اس سے باز رہے، ساتواں وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا اور ایسے چُھپا کر دیا کہ بائیں ہاتھ کو علم نہ ہوا کہ دائیں ہاتھ سے کیا دیا۔

(سنن نسائی، جلد سوم، حدیث 5385، کتاب ادب القضاۃ صفحہ 451 مطبوعہ فرید بک لاہور)

اِن دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ:

1)......حاکم جِسے جن جن چیزوں میں حکم کا اختیار ہے وہاں انصاف کرے۔

2)......انصاف کرنے والے حکمران اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے ستونوں پر ہوں گے۔

3)......ناانصافی کرنے والے ظلم کے اندھیروں میں ہوں گے۔

4)......انصاف کرنے والے حکمران قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے۔

5)......ناانصافی کرنے والے حکمران قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوں گے۔

حضور اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کا عدل وانصاف

حضور ﷺ کا عدل وانصاف

(1)......حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضور ﷺ کے زمانہ میں فتح مکہ کے موقع پر ایک عورت نے چوری کی اس عورت کی قوم والے گھبرا کر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تاکہ وہ حضور ﷺ سے اس عورت کی سفارش کردیں (اور یوں ان کی عورت چوری کی سزا سے بچ جائے) جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس بارے حضور ﷺ سے بات

کی تو آپ کا چہرہ مبارک (غصہ کی وجہ سے) بدل گیا اور فرمایا (اے اسامہ رضی اللہ عنہ!) تم مجھ سے اللہ کی حدود کے بارے میں (سفارش کی) بات کررہے ہو (حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ سفارش کرکے انہوں نے غلطی کی ہے اس لئے فوراً) حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ شام کو حضور ﷺ بیان فرمانے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ کی شان کے مناسب ثناء بیان کی پھر فرمایا:

''امابعد! تم سے پہلے لوگ صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا طاقتور اور معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حدِ شرعی قائم کرتے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹوں گا۔ (اَعَاذَھَا اللّٰہ مِنْھَا)''

پھر حضور ﷺ نے حکم دیا جس پر اس عورت کا ہاتھ کاٹا گیا اور اس نے بہت اچھی توبہ کی اور اس نے شادی بھی کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اس کے بعد وہ عورت (میرے پاس) آیا کرتی تھی اور میں اس کی ضرورت کی بات حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا کرتی۔ (بخاری شریف)

(2)......حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم لوگ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین کے موقع پر نکلے۔ جب ہمارا دشمن سے سامنا ہوا تو اکثر مسلمان بکھر گئے (البتہ حضور ﷺ اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم میدانِ جنگ میں جمے رہے) میں نے دیکھا کہ ایک مشرک آدمی ایک مسلمان پر چڑھا ہوا ہے میں نے پیچھے سے اس مشرک کے کندھے پر تلوار کا وار کیا جس سے اس کی زرہ کٹ گئی اور کندھے کی رگ بھی کٹ گئی وہ زخمی تو ہوگیا لیکن وہ مجھ پر حملہ آور ہوا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ میں مرنے کے قریب ہوگیا لیکن زیادہ خون نکل جانے کی وجہ سے وہ کمزور ہوگیا۔ آخر اس پر موت کے اثرات طاری ہونے لگے

اور اس نے مجھے چھوڑ دیا، اور پھر وہ مر گیا۔ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا، میں نے ان سے کہا لوگوں کو کیا ہوا؟ (کہ ان مسلمانوں کو شکست ہوگئی) انہوں نے کہا اللہ کا حکم ایسا ہی تھا (بعد میں کفار کو مکمل شکست ہوئی اور مسلمان جیت گئے) پھر مسلمان میدانِ جنگ سے واپس آئے۔ حضور ﷺ تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا جس نے کسی کافر کو قتل کیا ہے اور اس کے پاس گواہ بھی ہے تو اس مقتول کا سامان اسے ہی ملے گا۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا کون میرے لئے گواہی دیتا ہے؟ (جب کسی نے جواب نہ دیا تو) میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی طرح ارشاد فرمایا۔ میں نے پھر کہا کون میرے لئے گواہی دیتا ہے؟ اور پھر میں بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے پھر وہی ارشاد فرمایا۔ میں نے پھر کہا کون میرے لئے گواہی دیتا ہے؟ اور پھر میں بیٹھ گیا۔ آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا۔ میں پھر کھڑا ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابو قتادہ! تمہیں کیا ہوا؟ میں نے آپ ﷺ کو سارا قصہ بتایا تو ایک آدمی نے کہا کہ یہ سچ کہتے ہیں۔ اس مقتول کافر کا سامان میرے پاس ہے (یارسول اللہ!) آپ ان کو کسی طرح مجھ سے راضی فرما دیں (کہ یہ اس مقتول کا سامان میرے پاس رہنے دیں) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، اللہ کی قسم! ایسے نہیں ہو سکتا، جب ان کی بات ٹھیک ہے تو یہ سامان ان ہی کو ملنا چاہیئے، تمہیں دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے لڑنے والے اللہ کے شیر کو ملنے والا سامان حضور ﷺ تمہیں دے دیں۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ ٹھیک کہتے ہیں تم ان کو وہ سامان دے دو۔ چنانچہ اس نے مجھے وہ سامان دے دیا جس سے میں نے بنو سلمہ کے علاقہ میں ایک باغ خریدا۔ یہ وہ پہلا مال تھا جو میں نے اسلام میں جمع کیا۔ (بخاری شریف)

(3)......حضرت عبداللہ بن ابی حدود اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ان کے ذمہ ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے۔ اس یہودی نے اس قرض کی وصولی میں حضور ﷺ سے مدد لینی

چاہی اور یوں کہا اے محمد ﷺ! میرے اس آدمی کے ذمہ چار درہم قرض ہیں اور یہ ان دراہم کے بارے میں مجھ پر غالب آچکے ہیں (یعنی میں کئی مرتبہ ان سے تقاضا کر چکا ہوں لیکن یہ مجھے دیتے نہیں ہیں)۔

حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اس کا حق اسے دے دو۔ انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے، دینے کی میرے پاس بالکل گنجائش نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کا حق اسے دے دو۔ انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، دینے کی بالکل گنجائش نہیں اور میں نے اسے بتایا تھا کہ آپ ہمیں خیبر بھیجیں گے اور امید ہے کہ آپ ہمیں کچھ مالِ غنیمت دیں گے، اس لئے وہاں سے واپسی پر اس کا قرض ادا کردوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کا حق ادا کرو۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ کسی بات کو تین دفعہ سے زیادہ نہیں فرماتے تھے۔ (تین دفعہ فرما دینا پورے اہتمام اور تاکید کی نشانی تھی) چنانچہ حضرت ابن ابی حدود بازار گئے۔ ان کے سر پر پگڑی تھی اور ایک چادر باندھ رکھی تھی، انہوں نے سر سے پگڑی اتار کر اسے لنگی بنا لیا اور چادر کھول کر اس یہودی سے کہا تم مجھ سے یہ چادر خرید لو، چنانچہ وہ چادر اس یہودی کے ہاتھ چار درہم میں بیچ دی۔ اتنے میں ایک بڑھیا کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے یہ حال دیکھ کر کہا اے حضور ﷺ کے صحابی! تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے اسے سارا قصہ سنایا تو اس بڑھیا نے اپنے اوپر سے چادر اتار کر ان پر ڈال دی اور کہا یہ چادر لے لو۔ (ابن عساکر)

(4)......حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انصار کے دو آدمی کسی ایسی میراث کا جھگڑا لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کے نشان مٹ چکے تھے اور کوئی گواہ بھی ان کے پاس نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو اور جس کے بارے میں مجھ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی میں اس میں اپنی

رائے سے فیصلہ کرتا ہوں لہٰذا جس آدمی کی دلیل کی وجہ سے میں اس کے حق میں فیصلہ کردوں جس کی وجہ سے وہ اپنے بھائی کا حق لے رہا ہے تو اسے چاہئیے کہ وہ اپنے بھائی کا حق ہرگز نہ لے، کیونکہ میں تو اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ یہ ٹکڑا اس کے گلے کا ہار بنا ہوا ہوگا۔اس پر وہ دونوں حضرات رونے لگے اور دونوں میں سے ہر ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنا حق اسے دیتا ہوں۔حضور ﷺ نے فرمایا جب تم نے یہ ارادہ کرلیا تو جاؤ اور حق پر چلو اور اس میراث کو آپس میں تقسیم کرلو اور تقسیم کرنے کے لئے قرعہ اندازی کرلو اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد تم دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کو اپنا حق معاف کردے۔(ابن ابی شیبہ)

(5)......حضرت ابو سعید ؓ فرماتے ہیں ایک اعرابی کا حضور ﷺ پر قرضہ تھا وہ آکر حضور ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کرنے لگا اور اس نے حضور ﷺ پر بڑی سختی کی یہاں تک کہ یہ کہہ دیا جب تک آپ میرا قرضہ ادا نہیں کریں گے میں آپ کو تنگ کرتا رہوں گا۔حضور ﷺ کے صحابہ ؓ نے اسے جھڑکا اور کہا تیرا ناس ہو، تم جانتے ہو کہ تم کس سے بات کررہے ہو؟ اس نے کہا میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔حضور ﷺ نے فرمایا تم نے حق والے کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اور پھر آپ نے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہارے پاس کھجوریں ہوں تو ہمیں ادھار دے دو، جب ہمارے پاس آئیں گی تو ہم تمہارا قرضہ ادا کردیں گے۔انہوں نے کہا ضرور یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔حضور ﷺ نے ان سے قرض لے کر اس اعرابی کا قرض ادا کردیا اور جتنا اس کا قرض تھا اس سے زیادہ اسے دیا۔اس اعرابی نے کہا آپ نے قرضہ پورا ادا کردیا اللہ آپ کو پورا بدلہ دے۔پھر حضور ﷺ نے فرمایا حق کا ساتھ دینے والے لوگوں میں سب سے بہترین لوگ ہیں اور وہ امت پاکیزہ نہیں ہوسکتی جس میں کمزور آدمی بغیر کسی تکلیف اور پریشانی کے اپنا حق وصول نہ

کرسکے۔(ابنِ ماجہ)

(6)......حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کی اہلیہ حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بنو ساعدہ کے ایک آدمی کی ایک وسق کھجوریں حضور ﷺ کے ذمہ قرض تھیں (ایک وسق تقریبا سوا پانچ من کا ہوتا ہے) اس آدمی نے آکر حضور ﷺ سے اپنی کھجوروں کا تقاضا کیا۔حضور ﷺ نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا کہ اس کا قرض ادا کردو۔انہوں نے اس کی کھجوروں سے گھٹیا قسم کی کھجوریں دینی چاہیں۔اس آدمی نے لینے سے انکار کردیا۔ان انصاری نے کہا کیا تم رسول اللہ ﷺ کو ان کی کھجوریں واپس کرتے ہو؟ اس آدمی نے کہا ہاں۔اور حضور ﷺ سے زیادہ عدل کرنے کا کون حقدار ہے؟ یہ سن کر حضور ﷺ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور آپ نے فرمایا یہ ٹھیک کہتا ہے، مجھ سے زیادہ عدل کرنے کا حقدار کون ہوسکتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اس امت کو پاک نہیں فرماتا جس کا کمزور آدمی طاقتور سے اپنا حق نہ لے سکے اور نہ اس پر زور دے سکے، پھر فرمایا اے خولہ! اسے گن کر ادا کردو، کیونکہ جس مقروض کے پاس سے قرض خواہ خوش ہوکر جائے گا اس کے لئے زمین کے جانور اور سمندروں کی مچھلیاں دعا کریں گی اور جس مقروض کے پاس قرضہ کی ادائیگی کے لئے مال ہے اور وہ ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر دن اور رات کے بدلہ میں اس کے لئے ایک گناہ لکھتا ہے۔(طبرانی شریف)

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا عدل وانصاف

(1)......حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے جمعہ کے دن کھڑے ہوکر فرمایا جب صبح ہو تو تم صدقہ کے اونٹ ہمارے پاس لے آؤ ہم انہیں تقسیم کریں گے اور ہمارے پاس اجازت کے بغیر کوئی نہ آئے۔ایک

عورت نے اپنے خاوند سے کہا یہ نکیل لے جاؤ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کوئی اونٹ دے دے چنانچہ وہ آدمی گیا اس نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اونٹوں میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ داخل ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے دیکھ کر فرمایا تم ہمارے پاس کیوں آ گئے؟ پھر اس کے ہاتھ سے نکیل لے کر اسے ماری۔ جب حضرت ابوبکرؓ اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس آدمی کو بلایا اور اسے نکیل دی اور فرمایا تم اپنا بدلہ لے لو۔ تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا اللہ کی قسم! یہ آپ سے بدلہ بالکل نہیں لے گا. آپ اسے مستقل عادات نہ بنائیں (کہ امیر تنبیہ کرنے کے لئے کسی کو سزا دے تو اس سے بدلہ لیا جائے) حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا مجھے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کون بچائے گا؟ (ان حضرات میں اللہ کا خوف بہت زیادہ تھا) حضرت عمرؓ نے کہا آپ (اسے کچھ دے کر) راضی کر لیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے غلام سے کہا تم میرے پاس ایک اونٹ، اس کا کجاوہ اور ایک کمبل اور پانچ دینار لاؤ۔ چنانچہ یہ سب کچھ اس آدمی کو دے کر اسے راضی کیا۔ (بیہقی و کنز العمال)

حضرت عمر فاروقؓ کا عدل و انصاف

(1)......حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعبؓ کے درمیان (کھجور کے ایک درخت کے بارے میں) جھگڑا ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آؤ ہم آپس کے فیصلے کے لئے کوئی ثالث مقرر کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اپنا ثالث بنالیا، یہ دونوں حضرات حضرت زیدؓ کے پاس گئے اور حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں تا کہ آپ ہمارے درمیان فیصلہ کر دیں (اور امیر المومنین ہو کر میں خود آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ) فیصلہ کروانے والے خود ثالث کے گھر آیا کرتے ہیں۔ جب

دونوں حضرات حضرت زیدؓ کے پاس اندر داخل ہوئے تو حضرت زیدؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے بستر کے سرہانے بٹھانا چاہا اور یوں کہا اے امیر المومنین! یہاں تشریف رکھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا یہ پہلا ظلم ہے جو آپ نے اپنے فیصلہ میں کیا ہے میں تو اپنے فریق مخالف کے ساتھ بیٹھوں گا۔ حضرت اُبَیؓ نے اپنا دعویٰ پیش کیا جس کا حضرت عمرؓ نے انکار کیا۔ حضرت زیدؓ نے حضرت اُبَیؓ سے کہا (قاعدہ کے مطابق انکار کرنے پر مدعیٰ علیہ کو قسم کھانی پڑتی ہے لیکن میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ) آپ امیر المومنین کو قسم کھانے کی زحمت نہ دیں اور میں امیر المومنین کے علاوہ کسی اور کے لئے یہ درخواست نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ نے (اس رعایت کو قبول نہ کیا بلکہ) قسم کھائی اور انہوں نے قسم کھا کر کہا حضرت زیدؓ صحیح قاضی تب بن سکتے ہیں جب کہ ان کے نزدیک عمرؓ اور ایک عام مسلمان برابر ہو۔ ابن عساکر نے اسی قصہ کو شعبی سے نقل کیا اور اس میں یہ ہے کہ کھجور کے ایک درخت کے کاٹنے میں حضرت اُبَی بن کعب اور حضرت عمر بن خطابؓ میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر حضرت اُبَیؓ رو پڑے اور فرمایا اے عمرؓ! کیا تمہاری خلافت میں ایسا ہو رہا ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا آؤ آپس کے فیصلے کے لئے کسی کو ثالث مقرر کر لیتے ہیں۔ حضرت اُبَیؓ نے کہا حضرت زیدؓ کو ثالث بنا لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے بھی پسند ہیں۔ چنانچہ دونوں حضرات گئے اور حضرت زیدؓ کے پاس اندر داخل ہوئے آگے پیچھے جیسی حدیث ذکر کی۔ (کنز العمال شریف)

(2)......حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کا ایک گھر مدینہ منورہ کی مسجد (نبوی) کے بالکل ساتھ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے مسجد میں شامل کرنا چاہا تو حضرت عباسؓ سے فرمایا آپ یہ گھر میرے ہاتھ بیچ دیں، حضرت عباسؓ نے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا آپ یہ گھر مجھے ہدیہ ہی

کردیں۔وہ یہ بھی نہ مانے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ خود ہی یہ گھر مسجد میں شامل کردیں۔انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو ان تین کاموں میں سے کوئی ایک کام تو کرنا ہی پڑے گا لیکن حضرت عباس پھر بھی تیار نہ ہوئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا پھر کسی کو آپ ثالث مقرر کرلیں جو ہمارا فیصلہ کردے۔انہوں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا یہ دونوں حضرات اپنا مقدمہ ان کے پاس لے گئے۔حضرت اُبی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا میرا فیصلہ یہ ہے کہ آپ ان کی مرضی کے بغیر ان سے یہ گھر نہیں لے سکتے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا آپ کو یہ فیصلہ اللہ کی کتاب یعنی قرآن میں ملا ہے یا حضور ﷺ کی حدیث میں؟ انہوں نے کہا حضور ﷺ کی حدیث میں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ حدیث کیا ہے؟ حضرت اُبی نے کہا میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر شروع کی تو جب بھی وہ کوئی دیوار بناتے تو صبح کو وہ گری ہوئی ہوتی۔آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی بھیجی کہ اگر آپ کسی کی زمین میں بنانا چاہتے ہیں تو پہلے اسے راضی کرلیں۔یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کو چھوڑ دیا۔بعد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی خوشی سے اس گھر کو مسجد میں شامل کر دیا۔(مصنف عبدالرزاق)

(3)......حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا گھر لے کر مسجد (نبوی) میں شامل کردیں۔حضرت عباس نے انہیں گھر دینے سے انکار کر دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو یہ گھر ضرور لوں گا۔حضرت عباس نے کہا حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروالو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے۔چنانچہ دونوں حضرات حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے سارا قصہ بیان کیا۔حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما

السلام کی طرف وحی بھیجی کہ وہ بیت المقدس کی تعمیر کریں۔وہ زمین ایک آدمی کی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے وہ زمین خریدی۔جب اسے قیمت ادا کرنے لگے تو اس آدمی نے کہا جو قیمت تم مجھے دے رہے ہو وہ زیادہ بہتر ہے یا جو زمین تم مجھ سے لے رہے ہو وہ زیادہ بہتر ہے؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا جو زمین میں تم سے لے رہا ہوں وہ زیادہ بہتر ہے۔اس پر اس آدمی نے کہا تو پھر میں اس پر راضی نہیں ہوں۔پھر حضرت سلیمان نے اسے پہلے سے زیادہ قیمت دے کر خریدا۔اس آدمی نے حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ دو تین مرتبہ اسی طرح کیا (ایک قیمت مقرر کر کے پھر اس سے زیادہ کا مطالبہ کر دیتا) آخر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر یہ شرط لگائی کہ تم جتنی قیمت کہہ رہے ہو میں اتنے میں خریدتا ہوں لیکن تم بعد میں یہ نہ پوچھنا کہ زمین اور قیمت میں سے کون سی چیز بہتر ہے۔چنانچہ اس کی بتائی ہوئی قیمت پر خریدنے لگے تو اس نے بارہ ہزار قنطار سونا قیمت لگائی۔(ایک قنطار چار ہزار دینار کو کہتے ہیں) حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ قیمت بہت معلوم ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اگر تم اسے یہ قیمت اپنے پاس سے دے رہے ہو تو پھر تو تم جانو اور اگر تم ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے دے رہے ہو تو پھر اسے اتنا دو کہ وہ راضی ہوجائے۔چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور پھر حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے زیادہ حقدار ہیں اگر ان کا گھر مسجد میں شامل کرنا ہی ہے تو پھر وہ جس طرح راضی ہوں انہیں راضی کیا جائے۔اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جب آپ نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے تو میں اب یہ گھر مسلمانوں کے لئے صدقہ کرتا ہوں۔(کنز العمال)

(4)......حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مصر میں میرے بھائی عبدالرحمٰن نے اور ان کے ساتھ ابوسروعہ عقبہ بن حارث نے نبیذ پی (پانی

میں کھجوریں ڈال دی جاتی تھیں کچھ دیر کھجوریں پڑی رہتی تھیں جس سے وہ پانی میٹھا ہو جاتا تھا اسے
نبیذ کہا جاتا تھا، زیادہ دیر پڑے رہنے سے اس میں نشہ بھی ہو جاتا تھا) جس سے انہیں نشہ
ہو گیا۔ صبح کو یہ دونوں مصر کے امیر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے
کہا (سزا دے کر) ہمیں پاک کر دیں کیونکہ ہم نے ایک مشروب پیا تھا جس سے ہمیں
نشہ ہو گیا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے بھائی نے کہا مجھے نشہ ہو گیا
تھا۔ میں نے ان سے کہا گھر چلو میں تمہیں (سزا دے کر) پاک کر دوں گا مجھے یہ معلوم
نہیں تھا کہ یہ دونوں حضرات حضرت عمرو کے پاس جا چکے ہیں پھر میرے بھائی نے
مجھے بتایا کہ وہ امیر مصر کو یہ بات بتا چکے ہیں تو میں نے کہا تم گھر چلو میں تمہارا سر مونڈ
دوں گا تاکہ تمام لوگوں کے سامنے تمہارا سر نہ مونڈا جائے۔ اس زمانے کا دستور یہ تھا
کہ حد لگانے کے ساتھ سر بھی مونڈ دیتے تھے۔ چنانچہ وہ دونوں گھر چلے گئے۔ میں
نے اپنے بھائی کا سر اپنے ہاتھ سے مونڈا، پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان پر شراب کی حد
لگائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس قصہ کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ
عبدالرحمٰن کو میرے پاس کجاوہ کے اونٹ پر سوار کر کے بھیج دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا
ہی کیا۔

جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے اُسے کوڑے لگائے۔ اور اپنا
بیٹا ہونے کی وجہ سے اسے سزا دی پھر اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد وہ ایک مہینہ تو ٹھیک
رہے پھر تقدیر الٰہی غالب آ گئی اور ان کا انتقال ہو گیا۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے کوڑے لگانے سے ان کا انتقال ہوا ہے حالانکہ ان کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ عنہ
کے کوڑے لگانے سے نہیں ہوا (بلکہ طبعی موت سے ہوا)۔ (کنز العمال)

(5)......حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک عورت کا خاوند غائب تھا۔ اس کے
پاس کسی کی آمد و رفت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے کھٹک ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

بلانے کیلئے اس کے پاس ایک آدمی بھیجا۔ اس آدمی نے اس عورت سے کہا، حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمہیں بلا رہے ہیں۔ اس نے کہا ہائے میری ہلاکت،
مجھے عمر رضی اللہ عنہ سے کیا واسطہ۔ وہ گھر سے چلی (وہ حاملہ تھی) ابھی وہ راستے میں ہی تھی کہ
گھبرا گئی جس سے اسے دَردِ زہ شروع ہو گیا۔ وہ ایک گھر میں چلی گئی، جہاں اس کا بچہ
پیدا ہوا بچہ دو دفعہ رویا اور مر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے صحابہ کرام علیہم الرضوان
سے مشورہ کیا (کہ میرے ڈر کی وجہ سے وہ عورت گھبرا گئی اور بچہ قبل از وقت پیدا ہو گیا۔ اس وجہ
سے وہ بچہ مر گیا تو کیا اس بچہ کے یوں مر جانے کی وجہ سے مجھ پر کوئی چیز شرعاً لازم آتی
ہے؟) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا آپ پر کچھ لازم نہیں آتا کیونکہ آپ مسلمانوں کے والی
ہیں اور (اس وجہ سے) آپ کے ذمہ ہے کہ آپ ان کو ادب سکھائیں کوئی کمی دیکھیں تو
انہیں بلا کر تنبیہہ کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف
متوجہ ہو کر کہا اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ان لوگوں
نے یہ بات بغیر کسی دلیل کے محض اپنی رائے سے کہی ہے تو انہوں نے آپ کے ساتھ
خیر خواہی نہیں کی ہے، میری رائے یہ ہے کہ اس بچہ کی دیت یعنی خون بہا آپ کو دینا
پڑے گا کیونکہ آپ کے بلانے کی وجہ سے وہ عورت گھبرا گئی ہے اس لئے یوں بچے کے
قبل از وقت پیدا ہو جانے کی وجہ آپ ہی ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ
کو حکم دیا کہ اس بچہ کا خون بہا سارے قریش سے وصول کریں۔ اس لئے کہ یہ قتل ان
سے خطا کے طور پر صادر ہوا ہے۔ (بیہقی، کنز العمال)

(6)......حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں کو حکم دیا
کرتے تھے کہ وہ حج کے موقع پر ان کے پاس آیا کریں۔ جب سارے گورنر آ جاتے تو
(عام مسلمانوں کو جمع کر کے) فرماتے:

" اے لوگو! میں نے اپنے گورنر تمہارے ہاں اس لئے نہیں بھیجے ہیں کہ وہ

تمہاری کھال ادھیڑیں یا تمہارے مال پر قبضہ کریں یا تمہیں بے عزت کریں بلکہ میں نے تو صرف اس لئے ان کو بھیجا ہے تاکہ تمہیں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنے دیں اور تمہارے درمیان مالِ غنیمت تقسیم کریں۔ لہٰذا جس کے ساتھ اس کے خلاف کیا گیا ہو وہ کھڑا ہو جائے (اور اپنی بات بتائے)۔

(چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے گورنروں کو جمع کر کے لوگوں میں یہی اعلان کیا تو) صرف ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا، اے امیر المومنین! آپ کے فلاں گورنر نے مجھے (ظلماً) سو کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اس گورنر سے) کہا تم نے اسے کیوں مارا؟ (اور اس آدمی سے کہا) اُٹھ اور اس گورنر سے بدلہ لے۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا اگر آپ نے اس طرح گورنروں سے بدلہ دلانا شروع کر دیا تو پھر آپ کے پاس بہت زیادہ شکایات آنے لگ جائیں گی اور یہ گورنروں سے بدلہ لینا ایسا دستور بن جائے گا کہ جو بھی آپ کے بعد آئے گا اسے اختیار کرنا پڑے گا۔ (حالانکہ اپنے گورنروں سے بدلہ دلوانا ہر امیر کے بس میں نہیں ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں نے حضور ﷺ کو اپنی ذات اقدس سے بدلہ دلوانے کے لئے تیار دیکھا ہے تو میں اپنے گورنر سے کیوں نہ بدلہ دلواؤں؟ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ہمیں اس آدمی کو راضی کرنے کا موقع دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اچھا چلو تم اسے راضی کر لو۔ چنانچہ اس گورنر نے ہر کوڑے کے بدلہ دو دو دینار کے حساب سے دو سو دینار اس آدمی کو بدلہ میں دیئے۔

(7)...... حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مصر سے ایک آدمی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا اے امیر المومنین! مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ میں آپ کی پناہ لینا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں تم میری مضبوط پناہ میں ہو۔ تو اس نے کہا میں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے (محمد) سے دوڑنے میں مقابلہ کیا تو

میں ان سے آگے نکل گیا تو وہ مجھے کوڑے مارنے لگے اور کہنے لگے میں بڑے اور کریم لوگوں کی اولاد ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو کو خط لکھا کہ وہ خود بھی (مصر سے مدینہ منورہ) آئیں اور اپنے ساتھ اپنے اس بیٹے کو بھی لائیں۔ چنانچہ حضرت عمرو (مدینہ) آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ (شکایت کرنے والا) مصری کہاں ہے؟ کوڑا لو اور اسے مارو۔ وہ مصری کوڑے مارے جا رہا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے جا رہے تھے کمینوں کے بیٹے کو مارو۔ حضرت انس کہتے ہیں اس مصری نے حضرت عمرو کے بیٹے کو خوب پیٹا اور ہم چاہتے تھے کہ وہ انہیں خوب پیٹے۔ اور اس نے مارنا تب چھوڑا جب ہمیں بھی تقاضا ہو گیا کہ وہ اَب اور نہ مارے۔ یعنی اس نے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مصری سے فرمایا اب حضرت عمرو کی چندیا پر بھی مار (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد اس پر تنبیہ کرنا تھا کہ حضرت عمرو کو اپنے بیٹے کی ایسی تربیت کرنی چاہئے تھی کہ جس سے اس میں کسی پر بھی ظلم کرنے کی جرأت پیدا نہ ہوتی) اس مصری نے کہا اے امیر المومنین! مجھے تو ان کے بیٹے نے مارا تھا اور میں نے ان سے بدلہ لے لیا ہے (اس لئے میں حضرت عمرو کو نہیں ماروں گا) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو سے فرمایا کب سے تم نے لوگوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے؟ حالانکہ ان کو ان کی ماؤں نے آزاد جَنا ہے۔ حضرت عمرو نے کہا مجھے اس قصّہ کا بالکل پتہ نہیں چلا اور نہ یہ مصری میرے پاس شکایت لے کر آیا (ورنہ میں اپنے بیٹے کو خود سزا دیتا)۔ (کنز العمال)

(8)...... حضرت یزید بن ابی منصور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ بحرین میں ان کے مقرر کردہ گورنر حضرت ابنِ جارُود یا ابن ابی جارود کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کا نام اَدرِیاس تھا اس نے مسلمانوں کے دشمن کے ساتھ خفیہ خط و کتابت کر رکھی تھی۔ اور ان دشمنوں کے ساتھ مل جانے کا ارادہ بھی تھا اور اس کے ان جرائم پر گواہ بھی موجود تھے اس پر اس گورنر نے اسے قتل کر دیا۔ وہ شخص قتل

ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا اے عمرؓ! میں مظلوم ہوں میری مدد کو آئیں۔اے عمرؓ! میں مظلوم ہوں میری مدد کو آئیں۔حضرت عمرؓ نے اپنے اس گورنر کو خط لکھا کہ میرے پاس آؤ۔ چنانچہ وہ آ گئے۔حضرت عمرؓ ان کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا نیزہ تھا۔جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس اندر آئے تو حضرت عمرؓ نے وہ چھوٹا نیزہ اس کے جبڑوں پر مارنا چاہا (لیکن مارا نہیں کہ حضرت جارود نے اجتہادی غلطی کی وجہ سے اس آدمی کو قتل کیا تھا اس لئے چھوڑ دیا) اور حضرت عمرؓ کہتے جا رہے تھے، اے اَدِرْ یاس! میں تیری مدد کو حاضر ہوں۔اے اَدِرْ یاس! میں تیری مدد کو حاضر ہوں اور جارود کہنے لگے اے امیر المومنین! اس نے مسلمانوں کی خفیہ باتیں دشمن کو لکھی تھیں اور دشمن سے جا ملنے کا ارادہ بھی کر رکھا تھا۔حضرت عمرؓ نے فرمایا صرف برائی کے ارادہ پر ہی تم نے اسے قتل کر دیا۔ہم میں ایسا کون ہے جس کے دل میں ایسے برے ارادے نہیں آتے؟ اگر گورنروں کے قتل کرنے کا مستقل دستور بن جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تمہیں اس کے بدلہ میں ضرور قتل کر دیتا۔(ابن جریر)

(9)......حضرت زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمرؓ دونوں کانوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے باہر نکلے اور آپ کہہ رہے تھے یالبیّکاہ، میں مدد کو حاضر ہوں۔میں مدد کو حاضر ہوں۔لوگوں نے ان سے پوچھا کہ انہیں کیا بات پیش آئی ہے؟ حضرت عمرؓ نے بتایا کہ ان کے مقرر کردہ ایک امیر کی طرف سے قاصد یہ خبر لایا ہے کہ ان کے علاقہ میں مسلمانوں کے راستہ میں ایک نہر پڑتی تھی جسے پار کرنے کے لئے مسلمانوں کو کوئی کشتی نہ مل سکی تو ان کے امیر نے کہا کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو نہر کی گہرائی معلوم کرنا جانتا ہو۔چنانچہ ان کے پاس ایک بوڑھے کو لایا گیا اس بوڑھے نے کہا مجھے سردی سے ڈر لگتا ہے اور وہ موسم سردی کا تھا لیکن اس امیر نے انہیں مجبور کر کے اس نہر میں داخل کر دیا تھوڑی دیر میں ہی اس پر سردی کا بہت زیادہ اثر ہو گیا

اور وہ زور زور سے پکارنے لگا۔اے عمرؓ! میری مدد کو آؤ اور وہ بوڑھا ڈوب گیا (اس بوڑھے کی فریاد کے جواب میں حضرت عمرؓ کانوں میں انگلیاں ڈالے ہوئے یالبیکاہ کہتے ہوئے نکلے تھے) چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس امیر کو خط لکھا جس پر وہ مدینہ منورہ آ گئے۔ان کو آئے ہوئے کئی دن ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی اور یہ حضرت عمرؓ کی عادت شریفہ تھی کہ جب ان کو کسی پر غصہ آتا تھا تو اس سے اعراض فرما لیتے تھے۔اس کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے پھر اس امیر کو کہا جس آدمی کو تم نے مار ڈالا اس کا کیا بنا؟ اس نے کہا اے امیر المومنین! میرا ارادہ اسے قتل کرنے کا نہیں تھا، ہمیں نہر پار کرنے کے لئے کوئی بھی چیز نہیں مل رہی تھی ہم تو صرف یہ چاہتے تھے کہ یہ پتہ چل جائے کہ نہر کے پانی کی گہرائی کتنی ہے؟ پھر بعد میں ہم نے اللہ کے فضل سے فلاں فلاں علاقے فتح کئے۔اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم جو کچھ (فتوحات کی خبر وغیرہ) لے کر آئے ہو مجھے ایک مسلمان اس سے زیادہ محبوب ہے۔اگر مستقل دستور بن جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔تم اس کے رشتہ داروں کو خون بہا دو اور میرے پاس سے چلے جاؤ آئندہ تمہیں کبھی نہ دیکھوں۔(بیہقی)

(10)......حضرت جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابوموسیٰؓ کے ساتھ (جہاد میں) ایک آدمی تھا (اس لڑائی میں) مسلمانوں کو بڑا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔حضرت ابوموسیٰ نے اسے مالِ غنیمت میں سے اس کا حصّہ تو دیا لیکن پورا نہ دیا۔اس نے کہا لوں گا تو پورا لوں گا، نہیں تو نہیں لوں گا۔حضرت ابوموسیٰ نے اسے بیس کوڑے مارے اور اس کا سَر مُونڈ دیا۔وہ اپنے بال جمع کر کے حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا (وہاں جا کر) اس نے اپنی جیب سے بال نکالے اور حضرت عمرؓ کے سینہ پر دے مارے۔حضرت عمرؓ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا۔اس نے اپنا سارا قصّہ سنایا۔حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ کو یہ خط لکھا:

''سَلامٌ عَلَیْک! امّا بعد! فلاں بن فلاں نے مجھے اپنا سارا قصّہ اس اس طرح سنایا۔ میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں اگر یہ کام (اس کے ہاتھ) آپ نے بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے کیا ہے تو آپ اس کے لئے بھرے مجمع میں لوگوں کے سامنے بیٹھ جائیں اور پھر وہ آپ سے اپنا بدلہ لے اور اگر یہ کام (اس کے ساتھ آپ نے تنہائی میں کیا ہے تو آپ اس کے لئے تنہائی میں بیٹھ جائیں اور پھر وہ آپ سے اپنا بدلہ لے)۔

چنانچہ جب حضرت ابوموسیٰ کو یہ خط ملا تو وہ بدلہ دینے کے لئے (اس آدمی کے سامنے) بیٹھ گئے۔ اس پر اس آدمی نے کہا میں نے ان کو اللہ کے لئے معاف کر دیا۔ (بیہقی)

(11)......حضرت جَر مازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فیروز دَیلمی رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا:

''امّا بعد! مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ میدے کی روٹی شہد کے ساتھ کھانے میں مشغول ہو گئے ہو۔ لہٰذا جب آپ کے پاس میرا یہ خط پہنچے تو آپ اللہ کا نام لے کر میرے پاس آجائیں اور اللہ کے راستہ میں جہاد کریں''۔

چنانچہ حضرت فیروز (خط ملتے ہی مدینہ) آگئے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی۔ (وہ اندر جانے لگے تو) ایک قریشی نوجوان بھی اندر جانے لگا جس سے ان راستہ تنگ ہو گیا انہوں نے اس قریشی کی ناک پر (اس زور سے) تھپڑ مارا (کہ خون نکل آیا) وہ قریشی نوجوان اسی حالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اندر چلا گیا کہ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان سے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا ہے؟ اس نے کہا حضرت فیروز نے۔ اور وہ اس وقت دروازے پر ہی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فیروز کو اندر آنے کی اجازت دی۔ وہ اندر آگئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے کہا اے فیروز! یہ کیا ہے؟ حضرت فیروز نے کہا اے امیر المومنین! ہم نے کچھ عرصہ قبل ہی بادشاہت چھوڑی ہے (جس کا اثر ابھی ہماری طبیعتوں میں باقی ہے) بات یہ ہوئی۔ آپ نے مجھے خط بھیج کر بلوایا۔ اسے آپ نے کوئی خط نہیں لکھا اور (اجازت مانگنے پر) آپ نے مجھے تو اندر آنے کی اجازت دی۔ اس نے نہ اجازت مانگی اور نہ آپ نے اسے اجازت دی۔ اس نے (قاعدہ کے خلاف کرتے ہوئے بلا اجازت) مجھ سے پہلے میری اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اندر داخل ہونا چاہا (اس پر مجھے غصّہ آ گیا) اس لئے مجھ سے وہ حرکت سَرزد ہو گئی جو یہ آپ کو بتا رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو بدلہ دینا ہوگا۔ حضرت فیروز نے پوچھا کیا بدلہ ضرور دینا پڑے گا؟ کہا ہاں ضرور دینا پڑے گا۔ حضرت فیروز گھٹنوں کے بل بدلہ دینے کے لئے بیٹھ گئے اور وہ نوجوان بدلہ لینے کھڑا ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے نوجوان ذرا ٹھہرنا میں تمہیں وہ بات سناتا ہوں جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ایک دن صبح کے وقت میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جھوٹے نبی اَسْوَد عَنْسی کو آج رات قتل کر دیا گیا ہے اور اس کو اللہ کے نیک بندے فیروز دَیلمی نے قتل کیا ہے۔ جب تم نے ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سن لی ہے تو کیا اس کے بعد بھی تم ان سے بدلہ لینا چاہتے ہو؟ اس نوجوان نے کہا جب آپ نے ان کے بارے میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی تو میں نے ان کو معاف کر دیا تو اس کے بعد میں اپنی اس غلطی پر (اللہ کی پکڑ سے) بچ جاؤں گا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ اس پر حضرت فیروز نے کہا میں آپ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میری تلوار، میرا گھوڑا اور میرے مال میں سے تیس ہزار اس نوجوان کو ہدیہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے قریشی! تم نے معاف کر کے ثواب بھی لے لیا اور تم کو اتنا مال بھی مل گیا۔ (ابن عساکر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک باندی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

کی خدمت میں آ کر کہا، میرے آقا نے پہلے مجھ پر تہمت لگائی، پھر مجھے آگ پر بٹھایا جس سے میری شرمگاہ جل گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کیا تمہارے آقا نے تم کو وہ برا کام کرتے دیکھا تھا؟ اس باندی نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تم نے کسی برائی کا اس کے سامنے اقرار کیا تھا؟ اس باندی نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا اس کو میرے پاس لاؤ (چنانچہ وہ آدمی آ گیا) جب حضرت عمرؓ نے اس آدمی کو دیکھا تو فرمایا کیا تم انسانوں کو وہ عذاب دیتے ہو جو اللہ کے ساتھ خاص ہے؟ اس آدمی نے کہا اے امیر المومنین! مجھے اس پر شبہ ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا تم نے اسے وہ کام کرتے ہوئے دیکھا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پھر پوچھا کیا اس باندی نے تمہارے سامنے اس جرم کا اعتراف کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ مالک سے اس کے غلام کو اور والد سے اس کے بیٹے کو بدلہ نہیں دلوایا جائے گا تو میں تجھ سے اس باندی کو بدلہ دلواتا اور پھر حضرت عمرؓ نے اس آدمی کو سو کوڑے مارے اور اس باندی سے فرمایا جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی آزاد کردہ ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جسے آگ میں جلایا گیا یا جس کی شکل آگ سے جلا کر بگاڑی گئی وہ آزاد ہے اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا آزاد کردہ ہے۔

(13)......حضرت مکحول کہتے ہیں حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ایک دیہاتی کو بلایا تاکہ وہ بیت اللہ کے پاس ان کی سواری کو پکڑ کر کھڑا رہے اس نے انکار کر دیا اس پر حضرت عُبادہ نے اسے مارا جس سے اس کا سر زخمی ہو گیا۔ اس نے ان کے خلاف حضرت عمر بن خطابؓ سے مدد طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! میں نے اسے کہا کہ میری سواری

کو پکڑ کر کھڑا رہے لیکن اس نے انکار کر دیا اور مجھ میں ذرا تیزی ہے اس لئے میں نے اسے مار دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ بدلہ دینے کے لئے بیٹھ جائیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے کہا کیا آپ اپنے غلام کو اپنے بھائی سے بدلہ دلوا رہے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے بدلہ دلوانے کا ارادہ چھوڑ دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ حضرت عبادہ اسے اس زخم کے بدلہ میں مقررہ رقم دیں۔ (طبرانی، حاکم، بیہقی)

(14)......حضرت سُوَید بن غَفَلَہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لے گئے تو اہل کتاب میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا جس کا سر زخمی تھا اور اس کی پٹائی ہو چکی تھی۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! آپ میری جو حالت دیکھ رہے ہیں یہ سب کچھ ایک مسلمان نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ غصہ آیا اور حضرت صہیبؓ سے کہا جاؤ اور دیکھو کس نے اس کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ اسے میرے پاس لاؤ۔ حضرت صہیبؓ نے جا کر پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ نے کیا ہے۔ حضرت صہیبؓ نے ان سے کہا امیر المومنین کو تم پر بہت زیادہ غصہ آیا ہوا ہے۔ تم حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس جا کر ان سے کہو وہ حضرت عمرؓ سے تمہارے بارے میں بات کریں (اور وہ تمہارے لئے ان سے سفارش کریں) کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ حضرت عمرؓ تمہیں دیکھتے ہی فوراً سزا دینے لگ جائیں گے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے پوچھا صہیب کہاں ہے؟ کیا تم اس آدمی کو لے آئے ہو؟ حضرت صہیب نے کہا جی ہاں۔ حضرت عوفؓ جا کر حضرت معاذؓ کو اپنا سارا قصہ بتا چکے تھے اور حضرت معاذؓ اس وقت وہاں آئے ہوئے تھے چنانچہ حضرت معاذؓ نے کھڑے ہو کر کہا اے امیر المومنین! وہ مارنے والے عوف بن مالک (جیسے قابل اعتماد انسان) ہیں۔ آپ ان کی بات سن لیں اور انہیں سزا دینے میں جلدی نہ کریں۔ اس پر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عوف سے کہا تمہیں اس آدمی کے ساتھ کیا بات پیش آئی۔ انہوں نے کہا اے امیر المومنین! میں نے دیکھا کہ ایک مسلمان عورت گدھے پر سوار ہے یہ پیچھے سے گدھے کو ہانک رہا ہے اتنے میں اس نے اس عورت کو گرانے کے لئے اسے لکڑی کا چوکا مارا لیکن وہ نہ گری۔ پھر اس نے اسے ہاتھ سے دھکا دیا جس سے وہ عورت گر گئی اور یہ اس کے اوپر چڑھ گیا (اور اس کی عصمت لوٹ لی، میں یہ منظر برداشت نہ کر سکا اور میں نے اس کے سر پر مار دیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا تم اس عورت کو لاؤ تا کہ وہ تمہاری بات کی تصدیق کرے۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ اس عورت کے پاس گئے تو اس کے باپ اور خاوند نے ان سے کہا تم ہماری عورت کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟ تم نے تو (یہ سارا واقعہ سنا کر) ہمیں رسوا کر دیا۔ لیکن اس عورت نے کہا نہیں میں تو ان کے ساتھ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود بتانے) ضرور جاؤں گی۔ تو اس کے والد اور خاوند نے کہا (تم ٹھہرو) ہم جا کر تمہاری طرف سے ساری بات پہنچا آتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بالکل ویسا ہی قصہ بتایا جیسا حضرت عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم دینے پر اس یہودی کو سُولی دی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے یہودیو!) ہم نے تم سے اس پر صلح نہیں کی تھی (کہ تم ہماری عورتوں کے ساتھ زنا کرو اور ہم کچھ نہ کہیں) پھر فرمایا اے لوگو! حضرت محمد ﷺ کی امان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو لیکن ان میں سے جو کوئی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کرے گا اس کے لئے کوئی امان نہیں ہوگی۔ حضرت سُوَید کہتے ہیں یہ پہلا یہودی ہے جسے میں نے اسلام میں سُولی چڑھتے ہوئے دیکھا۔ (ابن عساکر)

(15)......حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ (دمشق کی بستی) جابیہ پہنچے تو آپ نے ایک بوڑھے ذِمی کو دیکھا کہ وہ لوگوں سے کھانا مانگ رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں لوگوں سے پوچھا (کہ

یہ کیوں مانگ رہا ہے) کسی نے کہا یہ ذِمی آدمی ہے جو کمزور اور بوڑھا ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ذمہ جو جزیہ تھا معاف کر دیا اور فرمایا پہلے تم نے اس پر جزیہ لگایا (جسے وہ دیتا رہا) اب جب وہ کمزور ہو گیا ہے تو تم نے اسے کھانا مانگنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ پھر آپ نے اس کے لئے بیت المال میں سے دس درہم وظیفہ مقرر کیا وہ بوڑھا عیالدار تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بوڑھے ذِمی پر گزر ہوا۔ جو لوگوں سے مسجدوں کے دروازوں پر مانگتا پھرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے ذِمی!) ہم نے تم سے انصاف کیا، جوانی میں تو ہم تم سے جزیہ لیتے رہے اور بڑھاپے میں ہم نے تمہارا کوئی خیال نہیں رکھا۔ پھر آپ نے اس کے لئے بیت المال میں سے بقدر گزارہ وظیفہ جاری کر دیا۔ (ابن عساکر)

(16)......حضرت یزید بن ابی مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مسلمان جابیہ بستی میں ٹھہرے ہوئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایک ذِمی نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ لوگ اس کے انگوروں کے باغ پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو ان کی اپنے ایک ساتھی سے ملاقات ہوئی جس نے اپنی ڈھال پر انگور اٹھا رکھے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ارے بھائی تم بھی۔ اس نے کہا اے امیر المومنین! ہمیں بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی ہے (کھانے کا اور سامان ہے نہیں) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس آ گئے اور یہ حکم دیا کہ اس ذِمی کو اس کے انگوروں کی قیمت ادا کی جائے۔ (کنز العمال)

(17)......حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک مسلمان اور یہودی اپنے جھگڑے کا فیصلہ کروانے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ یہودی حق پر ہے تو آپ نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس پر اس یہودی نے کہا اللہ کی قسم! آپ نے حق کا فیصلہ کیا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے (خوشی میں ہلکا سا)

کوڑا مارا اور فرمایا تجھے کس طرح پتہ چلا (کہ حق کیا ہوتا ہے؟) اس یہودی نے کہا اللہ کی قسم! ہمیں تورات میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ جو قاضی حق کا فیصلہ کرتا ہے اس کے دائیں جانب ایک فرشتہ اور بائیں جانب ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اسے صحیح راستہ پر چلاتے ہیں اور اسے حق بات کا الہام کرتے ہیں جب تک وہ قاضی حق کا فیصلہ کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ جب وہ یہ عزم چھوڑ دیتا ہے تو دونوں فرشتے اسے چھوڑ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ (الترغیب والترھیب)

(17)......حضرت ایاس بن سلمہ اپنے والد (حضرت سلمہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب ؓ بازار سے گزرے. ان کے ہاتھ میں کوڑا بھی تھا. انہوں نے آہستہ سے وہ کوڑا مجھے مارا جو میرے کپڑے کے کنارے کو لگ گیا اور فرمایا راستہ سے ہٹ جاؤ. جب اگلا سال آیا تو آپ کی مجھ سے ملاقات ہوئی. مجھ سے کہا اے سلمہ! کیا تمہارا حج کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا جی ہاں. پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور مجھے چھ سو درہم دیئے اور کہا انہیں اپنے سفر حج میں کام لے آنا اور یہ اس ہلکے سے کوڑے کے بدلہ میں ہیں جو میں نے تم کو مارا تھا۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! مجھے تو وہ کوڑا یاد بھی نہیں رہا۔ فرمایا لیکن میں تو اسے نہیں بھولا (یعنی میں نے مار تو دیا لیکن سارا سال کھٹکتا رہا) (طبری)

حضرت عثمان ذوالنورین ؓ کا عدل وانصاف

(1)......حضرت ابو الفُرات رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عثمان ؓ کا ایک غلام تھا آپ نے اس سے فرمایا میں نے ایک دفعہ تمہارا کان مروڑا تھا لہٰذا تم مجھ سے بدلہ لے لو۔ چنانچہ اس نے آپ کا کان پکڑ لیا تو آپ نے اس سے فرمایا زور سے مروڑ، دنیا میں بدلہ دینا کتنا اچھا ہے۔ اب آخرت میں بدلہ نہیں دینا پڑے گا۔

(2)......حضرت نافع بن عبدالحارث رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب ؓ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو جمعہ کے دن دار الندوہ تشریف لے گئے (جہاں قریش مشورہ کیا کرتے تھے اور بعد میں یہ جگہ مسجد حرام میں شامل کر دی گئی) آپ کا ارادہ یہ تھا کہ یہاں سے مسجد حرام جانا نزدیک پڑے گا۔ آپ نے وہاں کمرے میں ایک کھونٹی پر اپنی چادر لٹکا دی، اس پر حرم کا ایک کبوتر آ بیٹھا، آپ نے اسے اڑا دیا تو ایک سانپ اس کی طرف لپکا اور اسے مار ڈالا۔ جب آپ نماز جمعہ سے فارغ ہو گئے تو میں اور حضرت عثمان بن عفان ؓ ان کے پاس آئے۔ آپ نے کہا آج مجھ سے ایک کام ہو گیا ہے تم دونوں اس کام کے بارے میں میرے متعلق فیصلہ کرو آج میں اس گھر میں داخل ہوا میرا ارادہ یہ تھا کہ یہاں سے مسجد حرام جانا نزدیک پڑے گا میں نے اپنی چادر اس کھونٹی پر لٹکا دی تو اس پر حرم کا ایک کبوتر آ بیٹھا، مجھے ڈر ہوا کہ یہ بیٹ کر کے کہیں چادر کو خراب نہ کر دے اس لئے میں نے اسے اڑا دیا وہ اڑ کر اس دوسری کھونٹی پر آ بیٹھا وہاں لپک کر ایک سانپ نے اسے پکڑ لیا اور اسے مار ڈالا۔ اب میرے دل میں یہ خیال آ رہا ہے کہ وہ پہلی کھونٹی پر محفوظ تھا وہاں سے میں نے اسے اڑا دیا وہ اڑ کر اس دوسری کھونٹی پر آ گیا جہاں سے اسے موت آ گئی یعنی میں ہی اس کے قتل کا سبب بنا ہوں۔ یہ سن کر میں نے حضرت عثمان سے کہا آپ کا کیا خیال ہے اگر آپ امیر المومنین پر دو دانت والی سفید بکری دینے کا فیصلہ کر دیں؟ انہوں نے کہا میری بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ حضرت عمر ؓ نے اس طرح کی بکری دینے کا حکم دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا عدل وانصاف

(1)......حضرت کُلیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت علی ؓ کے پاس اِصبہان سے مال آیا آپ نے اسے سات حصوں میں تقسیم کیا۔ اس میں آپ کو ایک روٹی بھی ملی۔ آپ

نے اس کے سات ٹکڑے کئے اور ہر حصہ پر ایک ٹکڑا رکھ دیا پھر لشکر کے ساتوں حصوں کے امیروں کو بلوایا اور ان میں قرعہ اندازی کی تا کہ پتہ چلے کہ ان میں سے پہلے کس کو دیا جائے۔(بیہقی)

(2)......حضرت عبداللہ ہاشمی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس دو عورتیں مانگنے کے لئے آئیں ان میں سے ایک عربی تھی اور دوسری اس کی آزاد کردہ باندی تھی آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو ایک کُرّ (تقریباً ۶۳ من) غلّہ اور چالیس درہم دیئے جائیں۔اس آزاد شُدہ باندی کو تو جو ملا وہ اسے لے کر چلی گئی لیکن عربی عورت نے کہا اے امیر المومنین! آپ نے اسے جتنا دیا مجھے بھی اتنا ہی دیا حالانکہ میں عربی ہوں اور یہ آزاد کردہ باندی ہے۔اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بہت غور سے دیکھا تو اس میں مجھے اولاد اسماعیل علیہ السلام کو اولاد اسحاق علیہ السلام پر کوئی فضیلت نظر نہیں آئی۔(بیہقی)

(3)......حضرت علی بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت جَعْدَہ بن ہُبیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کر کہا اے امیر المومنین! آپ کے پاس دو آدمی آئیں گے،ان میں سے ایک کو تو اپنی جان سے بھی زیادہ آپ سے محبت ہے یا یوں کہا اپنے اہل وعیال اور مال و دولت سے بھی زیادہ محبت ہے،اور دوسرے کا بس چلے تو آپ کو ذبح کر دے،اس لئے آپ دوسرے کے خلاف پہلے کے حق میں فیصلہ کریں۔اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت جعدہ کے سینہ پر مُکّہ مارا اور فرمایا اگر یہ فیصلے اپنے آپ کو راضی کرنے کے لئے ہوتے تو میں ضرور ایسا کرتا لیکن یہ فیصلے تو اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہوتے ہیں (اس لئے میں تو حق کے مطابق فیصلہ کروں گا،اب وہ فیصلہ جس کے حق میں چاہے ہو جائے)۔(ابن عساکر)

(4)......حضرت اَصبغ بن نُباتہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

کے ساتھ بازار گیا۔آپ نے دیکھا بازار والے اپنی جگہ سے آگے بڑھ گئے ہیں۔آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ بازار والے اپنی جگہ سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنی جگہ بڑھا لینے کا انہیں کوئی حق نہیں ہے،مسلمانوں کا بازار نمازیوں کے نماز پڑھنے کی جگہ یعنی مسجد کی طرح ہوتا ہے لہٰذا جس جگہ کا کوئی مالک نہیں ہے وہاں پہلے آ کر جو قبضہ کر لے گا وہ جگہ اس دن اسی کی ہوگی ہاں وہ خود اسے چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے تو اس کی مرضی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا عدل وانصاف

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خیبر کے متعلق لمبی حدیث بیان کرتے ہیں اس میں یہ مضمون بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہر سال اہل خیبر کے پاس جا کر درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں اور بیلوں پر لگے ہوئے انگوروں کا اندازہ لگاتے کہ یہ کتنے ہیں؟ پھر جتنے پھل کا ان کو اندازہ ہوتا اس کے آدھے پھل کی ان پر ذمہ داری ڈال دیتے کہ اتنے کا آدھا پھل تمہیں دینا ہوگا۔خیبر والوں نے حضور ﷺ سے ان کے اندازہ لگانے میں سختی کرنے کی شکایت کی اور وہ لوگ ان کو رشوت دینے لگے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے دشمنو! اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس اس آدمی کی وجہ سے آیا ہوں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم لوگ مجھے بندروں اور **خنزیروں** سے بھی زیادہ برے لگتے ہو لیکن تمہاری نفرت اور حضور ﷺ کی محبت مجھے تمہارے ساتھ ناانصافی کرنے پر مجھے آمادہ نہیں کرسکتی۔ان لوگوں نے کہا اسی انصاف کی برکت سے زمین آسمان قائم ہیں۔(بیہقی)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا عدل وانصاف

حضرت حارث بن سوید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ ایک لشکر میں

گئے ہوئے تھے، دشمن نے ان کا محاصرہ کرلیا۔لشکر کے امیر نے حکم دیا کوئی بھی اپنی سواری چرانے کے لئے لے کر نہ جائے۔ایک آدمی کو امیر کے اس حکم کا پتہ نہ چلا وہ اپنی سواری لے کر چلا گیا جس پر امیر نے اسے مارا، وہ امیر کے پاس سے واپس آ کر کہنے لگا جو سلوک میرے ساتھ آج ہوا ہے ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کے پاس سے واپس گزرے تو اس سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے اپنا قصہ سنایا۔اس پر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے تلوار گلے میں ڈالی اور اس کے ساتھ چل پڑے اور امیر کے پاس پہنچ کر اس سے کہا (آپ نے اسے بلاوجہ مارا ہے اس لئے) آپ اسے اپنی جان سے بدلہ دلوائیں وہ امیر بدلہ دینے کے لئے تیار ہوگئے۔اس پر اس آدمی نے امیر کو معاف کردیا۔حضرت مقداد رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے واپس آئے میں انشاء اللہ اس حال میں مروں گا کہ اسلام غالب ہوگا (کہ کمزور کو طاقتور سے بدلہ دلوایا جارہا ہوگا) (ابونعیم)

اچھے حکمران کی پہچان

الحدیث:......حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں تمہارے اچھے اور بُرے حاکموں کے بارے میں خبر دوں اچھے حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو گے اور وہ تم سے محبت کریں تم اُن کے لئے دُعا کرو گے اور وہ تمہارے لئے دُعا کریں گے اور تمہارے بُرے حاکم وہ ہیں جن سے تمہیں بُغض ہوگا اور وہ تم سے بُغض رکھیں گے تم اُن پر لعنت بھیجو گے اور وہ تم پر لعنت بھیجیں گے۔

(ترمذی شریف، جلد دوم، حدیث **146** صفحہ **76** مطبوعہ فرید بک لاہور)

فائدہ:......سرکارِ اعظم ﷺ کا فرمان حق ہے آج کل کے موجودہ حکمران ہر لحاظ سے بُرے ہیں جس کی نشانی یہ ہے جو حدیث شریف میں بیان کی گئی یعنی پوری قوم حکومت

سے نفرت کا اظہار کرتی ہے اور حکمرانوں کو لعنت ملامت کرتی ہے اور ہمارے حکمران زبانی یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم رعایا سے محبت کرتے ہیں ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہیں مگر اسٹیج سے اُترتے ہی حکمرانوں کا رنگ بدل جاتا ہے قوم اُنہیں اچھی نہیں لگتی بے چارے حکمران نماز پڑھتے نہیں اِنہیں اپنے لئے دُعا مانگنے کی فُرصت نہیں وہ بے چارے قوم کے لئے کیا دُعا کریں گے۔

حاکم رعایا کی خبر گیری رکھے

الحدیث:......حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا میں نے سرکارِ اعظم ﷺ سے سُنا آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو حاکم حاجتمندوں، غریبوں اور مسکینوں پر اپنا دروازہ بند کردیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت، غربت اور محتاجی کے وقت اس پر آسمانوں کے دروازے بند کردیتا ہے اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ضروریات (معلوم کرنے کے لئے ان) پر ایک آدمی مقرّر فرمادیا۔

(ترمذی شریف، جلد اوّل، حدیث **1343** صفحہ **671** مطبوعہ فرید بک لاہور)

فائدہ:......اس حدیث شریف سے یہ سبق ملا کہ حکمرانوں پر یہ لازم ہے کہ اپنی قوم کے حاجت مندوں، غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری کریں اُن کی پریشانی دور کریں، اُن کا سوال پورا کریں ہمارے اسلاف نے اس پر عمل کرکے دکھایا جیسا کہ اس حدیث شریف میں آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق پڑھا کہ وہ لوگوں کی ضروریات معلوم کرنے اور خبر گیری کے باقاعدہ آدمی مقرّر کرتے تھے اس کی سب سے بڑی مثال تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ملتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور رعایا کی خبر گیری

(1)......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تاریخِ اسلام کا سنہری دور گزرا ہے آپ راتوں کو لوگوں کے دروازوں پر کان لگا کر قوم کی خبر گیری کیا کرتے تھے روزانہ رات کو یہ

سلسلہ جاری رہتا ایک مرتبہ آپ نے ایک دروازے پر کان لگائے تو وہاں سے بچوں کے رونے کی آواز سُنائی دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہوگئے، داخل ہوتے ہی کیا دیکھا کہ ایک عورت گھر کے کونے میں غمزدہ بیٹھی ہوئی ہے اور چولہے پر ایک ہنڈیا پک رہی ہے اور بچے رو رہے ہیں آپ رضی اللہ عنہ نے اُس عورت سے یہ ماجرا دریافت کیا تو عورت عرض کرنے لگی کہ ہمارے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے یہ جو ہنڈیا پک رہی ہے اس میں صرف پانی ہے جو کہ بچوں کے دلاسے کے لئے چولہے پر رکھی ہوئی ہے تاکہ بچے یہ سمجھیں کہ کھانا پک رہا ہے اور اسی انتظار میں رُو رُو کر سو جائیں گے۔

یہ سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، آپ نے یہ نہیں بتایا کہ میں امیر المؤمنین ہوں فوراً باہر چلے گئے اور بیت المال تشریف لے گئے اور کھانے کا سامان اِکٹھا کرکے اپنے کاندھے پر اُٹھانے لگے اتنے میں ملازم جو بیت المال کے پاس موجود تھا کہنے لگا حضور! میں اُٹھا لیتا ہوں آپ تکلیف کریں آپ نے ملازم سے یہ کہہ کر اس کو خاموش کرادیا کہ کیا قیامت کے دن بھی میرا بوجھ اُٹھائے گا؟

آپ اپنے کاندھوں پر کھانے پینے کا سامان لئے اس عورت کے گھر گئے اور اس سے فرمایا کہ تم بھی کھانا کھاؤ اور اپنے بچوں کو بھی کھلاؤ چنانچہ عورت نے روٹی پکائی اور خود بھی کھایا اور بچوں کو بھی کھلایا بچے کھانا کھاتے ہوئے بہت خوش وخُرم تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر رُو پڑے عورت آپ سے کہنے لگی کہ اے شخص عمر کو امیر المؤمنین نہیں ہونا چاہیے امیر المؤمنین تو تجھے ہونا چاہیے۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا میں ہی عمر ہوں یہ سُن کر عورت حیران رہ گئی، آپ نے عورت سے کہا کہ اگر حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی قوم کی خبر گیری کریں تو قوم کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے امیر المؤمنین کو اپنی پریشانی سے آگاہ کریں!

(2)......حضرت ابو صالح غِفاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خدمت کے لئے مدینہ کے کنارے میں رہنے والی ایک نابینا عمر رسیدہ بڑھیا تلاش کی تاکہ رات کو اس کا پانی بھر دیا کریں اور اس کے کام کاج کر دیا کریں۔ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے ہاں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی ان سے پہلے آکر خدمت کے سارے کام بڑھیا کی حسبِ مَنشا کر چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ کوشش کی لیکن اس آدمی سے پہلے نہ آسکے۔ وہی پہلے آکر تمام کام کر جاتا۔ آخر اس کا پتہ چلانے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستہ میں گھات لگا کر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (اس بڑھیا کی خدمت کرنے) آرہے ہیں اور یہی وہ صاحب ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے آکر خدمت کررہے تھے، حالانکہ وہ خلیفۂ وقت تھے، انہیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ہیں۔ (جو مجھ سے بھی پہلے آکر اس بڑھیا کی خدمت کررہے تھے)۔

(3)......حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تاریکی میں باہر نکلے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑی، انہوں نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے ایک گھر میں داخل ہوئے، پھر دوسرے گھر میں، صبح کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس گھر میں گئے تو دیکھا کہ گھر میں ایک نابینا اور اپاہج بڑھیا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے؟ یہ آدمی تمہارے پاس کس لئے آتا ہے؟ اس بڑھیا نے کہا یہ اتنے عرصہ سے یعنی برسوں سے میری دیکھ بھال کررہے ہیں۔ میری ضرورت کے کام کر دیتے ہیں اور میرے گھر کے پاخانے وغیرہ تمام چیزوں کی صفائی کر دیتے ہیں، اس پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے طلحہ رضی اللہ عنہ! تیری ماں تجھے گم کرے، کیا تم عمر رضی اللہ عنہ کی لغزشوں کو تلاش کرتے ہو؟

محترم حضرات! آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کردار ملاحظہ فرمایا یہی نہیں بلکہ

حضرت محمود غزنوی علیہ الرحمہ کے حالات میں، میں نے پڑھا کہ آپ بھی راتوں کو بھیس بدل بدل کر لوگوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے لیکن افسوس کہ آج قوم مر بھی رہی ہوتی ہے تو کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا سینکڑوں افراد کے مرجانے پر بھی حکمرانوں کے کانوں پر جُوں تک نہیں رینگتی۔

حاکمِ وقت کی ذمہّ داری

الحدیث:......حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا سنو! تم سب نگران ہو اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ آدمی جو لوگوں پر حاکم مقرّر ہے وہ ذمہّ دار ہے اور اس سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال ہوگا۔ مرد اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے گھر والوں کے متعلق پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگران و ذمہّ دار ہے اس سے اس کے متعلق سوال ہوگا، غلام اپنے مالک کے مال کا نگراں ہے اس سے اس کے متعلق سوال پوچھا جائے گا۔ سنو! تم سب (اپنے اپنے دائرہ اختیار میں) ذمہّ دار ہو اور ہر ایک سے اس سے متعلق اُمور کا سوال ہوگا۔ (ترمذی شریف جلد اوّل، حدیث 1759 صفحہ 827 مطبوعہ فرید بک لاہور)

فائدہ:......اس حدیث شریف سے اُن حکمرانوں کو درسِ عبرت حاصل کرنا چاہیے جو صرف مال دولت اِکٹھا کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اور صرف اپنی کُرسی کو بچانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں رعایا کی تکلیف اور پریشانی سے اُن کو کوئی غرض نہیں۔ ایسے حکمران ذرا سوچیں کہ اُنہیں قیامت کے پچاس ہزار سالہ دن میں تپتی ہوئی زمین پر بھوکا پیاسا اپنی قوم کے متعلق پوچھا جائے گا وہاں کوئی حیلہ بہانا کام نہ آئے گا اُس وقت وہ اپنے پروردگار کو کیا منہ دکھائیں اُس وقت اُن کا ظلم اندھیرا بن کر اُن کے سامنے ہوگا۔ (الامان والحفیظ)

حاکم کے ذمہّ حقوق

1)......محکوم پر دشوار احکام جاری نہ کرے۔

2)......اگر باہم محکومین میں کوئی منازعت ہو جائے عدل کی رعایت کرے کسی جانب میلان نہ کرے۔

3)...... ہر طرح ان کی حفاظت و آرام رسانی کی فکر میں رہے، دادخواہوں کو اپنے پاس پہنچنے کے لئے آسان طریقہ مقرّر کرے۔

4)......اگر اپنی شان میں اس سے کوئی کوتاہی یا خطا ہو جائے کثرت سے معاف کر دیا کرے۔

محکوم کے ذمہّ حقوق

1)......حاکم کی خیر خواہی و اطاعت کرے البتہ خلافِ شرع امر میں اطاعت نہیں۔

2)......اگر حاکم سے کوئی امر خلافِ طبع پیش آئے صبر کرے، شکایت و بددعا نہ کرے البتہ اس کی نرم مزاجی کے لئے دعا کرے اور خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اہتمام کرے کہ اللہ تعالیٰ حُکّام کے دل کو نرم کردے ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے۔

3)......اگر حاکم سے آرام پہنچے اس کے ساتھ احسان کی شکر گزاری کرے۔

4)...... براہِ نفسانیت اس سے سرکشی نہ کرے اور جہاں غلام پائے جاتے ہیں غلاموں کا نان نفقہ بھی واجب ہے اور غلام کو اس کی خدمت چھوڑ کر بھاگنا حرام ہے، باقی محکومین آزاد ہیں دائرۂ حکومت میں رہنے تک حقوق ہوں گے اور خارج ہونے کے بعد ہر وقت مختار ہیں۔

حضرت اسود (بن یزید) رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی وفد آتا تو ان سے ان کے امیر کے بارے میں پوچھتے کہ کیا وہ بیمار کی عیادت

کرتا ہے؟ کیا غلام کی بات سُنتا ہے؟ جو ضرورت مند اس کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے
اس کے ساتھ اس کا رویّہ کیسا ہوتا ہے؟ اگر وفد والے ان باتوں میں سے کسی کے
جواب میں ''نہ'' کہہ دیتے تو اس امیر کو معزول کردیتے۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو (کسی علاقہ کا) گورنر
بناتے اور اس علاقہ سے ان کے پاس وفد آتا تو حضرت عمر ان سے (اس گورنر کے
بارے میں) پوچھتے کہ تمہارا امیر کیسا ہے؟ کیا وہ غلاموں کی عیادت کرتا ہے؟ کیا وہ
جنازے کے ساتھ جاتا ہے؟ اس کا دروازہ کیسا ہے؟ کیا وہ نرم ہے؟ اگر وہ کہتے کہ اس
کا دروازہ نرم ہے (ہر ایک کو اندر جانے کی اجازت ہے) اور غلاموں کی عیادت کرتا ہے
تب تو اسے گورنر رہنے دیتے ورنہ آدمی بھیج کر اس کو گورنری سے ہٹا دیتے۔

حضرت عاصم بن ابی نجُود کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب اپنے گورنروں
کو (مختلف علاقوں میں گورنر بنا کر) بھیجا کرتے تو ان پر یہ شرطیں لگاتے کہ تم لوگ تُرکی
گھوڑے پر سوار نہیں ہوا کرو گے اور چھنے ہوئے آٹے کی چپاتی نہیں کھایا کرو گے
اور باریک کپڑا نہیں پہنا کرو گے اور حاجت مندوں پر اپنے دروازے بند نہیں کرو گے
اگر تم نے ان میں سے کوئی کام کرلیا تو تم سزا کے حق دار بن جاؤ گے۔ پھر رخصت
کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھوڑی دُور چلتے جب واپس آنے لگتے تو ان سے
فرماتے میں نے تم کو مسلمانوں کے خون (بہانے) پر اور ان کی کھال (ادھیڑنے) پر
اور انہیں بے آبرو کرنے پر اور ان کے مال (چھیننے) پر مُسلَّط نہیں کیا ہے بلکہ میں تمہیں
(اس علاقہ میں) اس لئے بھیج رہا ہوں تاکہ تم وہاں کے مسلمانوں میں نماز قائم کرو
اور ان میں ان کا مالِ غنیمت تقسیم کرو اور ان میں انصاف کے فیصلے کرو اور جب تمہیں
کوئی ایسا امر پیش آجائے جس کا حکم تم پر واضح نہ ہو تو اسے میرے سامنے پیش کرو۔ ذرا
غور سے سُنو! عربوں کو نہ مارنا۔ اس طرح تم ان کو ذلیل کردو گے اور ان کو اسلامی سرحد

پر جمع کر کے وطن واپسی سے روک نہ دینا۔ اس طرح تم ان کو فتنہ میں ڈال دو گے
اور ان کے خلاف ایسے جرم کا دعویٰ نہ کرنا جو انہوں نے نہ کیا ہو اس طرح تم ان کو محروم
کردو گے اور قرآن کو (احادیث وغیرہ سے) الگ اور ممتاز کر کے رکھنا، یعنی قرآن کے
ساتھ حدیثیں نہ ملانا۔ (بیہقی)

حضرت ابو حُصَین سے اسی حدیث کے باہم معنی مختصر حدیث مروی ہے اور اس
میں مزید یہ مضمون بھی ہے کہ قرآن کو الگ اور ممتاز کر کے رکھو اور حضرت محمد ﷺ سے
روایت کم کیا کرو اور اس کام میں میں تمہارا شریک ہوں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے
گورنروں سے بدلہ دلوایا کرتے تھے، جب ان سے ان کے کسی گورنر کی شکایت کی جاتی
تو اس گورنر کو اور شکایت کرنے والے کو ایک جگہ جمع کرتے (اور گورنر کے سامنے شکایت
سُنتے) اگر اس گورنر کے خلاف کوئی ایسی بات ثابت ہو جاتی جس پر اس کی پکڑ لازمی
ہوتی تو حضرت عمر اس کی پکڑ فرماتے۔ (طبری)

حضرت ابو خزیمۃ بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو گورنر
مُقرر فرماتے تو انصار اور دوسرے حضرات کی ایک جماعت کو اس پر گواہ بناتے اور اس
سے فرماتے میں نے تم کو مسلمانوں کا خون بہانے کے لئے گورنر نہیں بنایا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سابِط رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے
آدمی بھیج کر حضرت سعید بن عامر جُمحی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے فرمایا ہم تمہیں ان لوگوں کا
امیر بنا رہے ہیں۔ ان کو لے کر دشمن کے علاقہ میں جاؤ اور ان کو لے کر دشمن سے جہاد
کرو۔ انہوں نے کہا اے عمر! آپ مجھے آزمائش میں نہ ڈالیں۔ حضرت عمر نے فرمایا
میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ تم لوگ خلافت کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال کر
مجھے اکیلا چھوڑ کر خود الگ ہو جانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں ایسے لوگوں کا امیر بنا کر بھیج رہا
ہوں کہ تم ان سے افضل نہیں ہو اور میں تمہیں اس لئے بھی نہیں بھیج رہا ہوں کہ تم مار مار

کر ان کی کھال ادھیڑ دو اور تم ان کی بے عزّتی کرو۔ بلکہ اس لئے بھیج رہا ہوں کہ تم ان کو لے کر ان کے دشمن سے جہاد کرو اور ان کا مالِ غنیمت ان میں تقسیم کرو۔ (ابنِ عساکر)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے لوگو) امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں تمہارے رَبّ کی کتاب اور تمہارے نبی کریم ﷺ کی سُنّت سکھاؤں اور تمہارے لئے تمہارے راستے صاف کر دوں۔ (ابنِ عساکر)

امیر کے عام مُسلمانوں سے اپنا معیارِ زندگی بلند کرنے پر اور دربان مقرر کر کے ضرورت مندوں سے چُھپ جانے پر نکیر

(1)...... حضرت ابو صالح غِفَاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے (مصر سے) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ہم نے (یہاں) جامع مسجد کے پاس آپ کے لئے ایک مکان کی جگہ مخصوص کر دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں لکھا کہ حجاز میں رہنے والے آدمی کے لئے مصر میں گھر کیوں کر ہو سکتا ہے اور حضرت عمرو کو حکم دیا کہ اس جگہ کو مسلمانوں کے لئے بازار بنا دیں۔

(2)...... حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم لوگ آذر بائیجان میں تھے وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ خط لکھا۔

''اے عُتبہ بن فرقدؓ ! یہ مُلک و مال تمہیں تمہاری محنت سے نہیں ملا اور نہ ہی تمہارے ماں باپ کی محنت سے مِلا ہے، اس لئے تم اپنے گھر میں جو چیز پیٹ بھر کر کھاتے ہو وہی چیز سارے مسلمانوں کو ان کے گھروں میں پیٹ بھر کر کھلاؤ اور ناز ونعمت کی زِندگی سے اور مشرکین جیسی ہیئت اختیار کرنے سے اور ریشم پہننے سے بچو۔ (الترغیب والترہیب)

(3)...... حضرت عُروہ بن رُوَیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے پاس سے حِمص کے لوگ گزرے، حضرت عمر نے ان سے پوچھا تمہارے امیر (حضرت عبداللہ بن قُرط رضی اللہ عنہ) کیسے ہیں؟ ان لوگوں نے کہا بہترین امیر ہیں بس ایک بات ہے کہ انہوں نے ایک بالا خانہ بنا لیا ہے جس میں رہتے ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس امیر کو خط لکھا اور اپنا قاصد بھی ساتھ بھیجا اور اس قاصد کو حکم دیا کہ وہاں جا کر اس بالا خانے کو جلا دے جب وہ قاصد وہاں پہنچا تو اس نے لکڑیاں جمع کر کے اس بالا خانے کے دروازے کو آگ لگا دی، جب یہ بات اس امیر کو بتائی گئی تو اس نے کہا اسے کچھ مت کہو۔ یہ (امیر المؤمنین کا بھیجا ہوا) قاصد ہے۔ پھر اس قاصد نے ان کو (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کا خط دیا۔ وہ خط پڑھتے ہی سوار ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف چل دیئے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھا تو ان سے فرمایا (مدینہ سے باہر پتھریلے میدان) حَرّہ میں میرے پاس پہنچ جاؤ۔ حَرّہ میں صدقہ کے اُونٹ تھے (جب وہ حَرّہ حضرت عمر کے پاس پہنچ گئے تو ان سے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اپنے کپڑے اُتار دو۔ (انہوں نے کپڑے اُتار دیئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اُونٹ کے اون کی چادر پہننے کے لئے دی (جسے انہوں نے پہن لیا) پھر ان سے فرمایا (اس کنویں سے) پانی نکالو اور ان اُونٹوں کو پانی پلاؤ، وہ یونہی ہاتھ سے کنویں سے پانی نکالتے رہے یہاں تک کہ تھک گئے۔ حضرت عمر نے ان سے پوچھا دنیا میں اور کتنا رہو گے؟ انہوں نے کہا بس تھوڑا ہی عرصہ، فرمایا بس اس (مختصر سی زندگی) کے لئے تم نے وہ بالا خانہ بنایا تھا جس کی وجہ سے تم مسکین، بیوہ اور یتیم انسانوں (کی پہنچ) سے اوپر ہو گئے تھے، جاؤ اپنے کام پر واپس جاؤ اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (ابنِ عساکر)

(4)...... حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مُلکِ شام جانے کی اجازت

مانگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا صرف اس شرط پر اجازت دے سکتا ہوں کہ تم وہاں جا کر کسی شہر کے گورنر بن جاؤ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں گورنر بننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر میں اجازت نہیں دیتا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں وہاں جا کر لوگوں کو ان کے نبی ﷺ کی سُنّت سکھاؤں گا اور انہیں نماز پڑھاؤں گا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی، (اور وہ مُلکِ شام چلے گئے، اس کے کچھ عرصہ کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ مُلکِ شام تشریف لے گئے۔ جب حضرات صحابہ کرام کے قریب پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو (اپنے دربان سے) فرمایا اے یرُفا! حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے پاس لے چلو اور ان کو دیکھو ان کے پاس مجلس جمی ہوئی ہوگی اور چراغ جل رہا ہوگا اور مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے لے کر ریشم اور دیباج بچھا رکھا ہوگا۔ (ان حضرات کے ریشم کو بچھانے کی وجہ یہ تھی کہ اوّل تو ان حضرات کا مُلک شام میں قیام عارضی تھا، وہاں ٹھہرنے کے جو پہلے سے انتظامات تھے ان ہی میں چند دن ٹھہر کر انہیں آگے جانا تھا۔ دوسرے ہوسکتا ہے کہ اس کا تانا ریشم کا ہو اور بانا سوتی وغیرہ حلال دھاگے کا ہو، تیسرے اگر وہ مکمّل ریشم ہی کا تھا تو بعض صحابہ کرام ریشم کے بچھانے کو جائز سمجھتے تھے البتہ ریشم کے پہننے کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تھا) تم انہیں سلام کرو گے وہ تمہارے سلام کا جواب دیں گے، تم ان سے اندر آنے کی اجازت مانگو گے وہ پہلے یہ پوچھیں گے کہ تم کون ہو پھر تم کو اجازت دیں گے۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں سے چلے اور حضرت یزید کے دروازے پر پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا السّلام علیکم! حضرت یزید نے کہا وعلیکم السّلام، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اندر آجاؤں؟ انہوں نے کہا آپ کون ہیں؟ حضرت یرُفا نے کہا یہ وہ ہستی ہے جو تمہارے ساتھ ناگوار سلوک کرے گی، یہ امیر المؤمنین ہیں، حضرت یزید نے دروازہ کھولا، (حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت یرُفا اندر داخل ہوئے) ان حضرات نے دیکھا

کہ مجلس جمی ہوئی ہے۔ چراغ جل رہا ہے، ریشم اور دیباج بچھا ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے یرُفا! جلدی سے دروازہ بند کرو، دروازہ بند کروا اور ایک کوڑا حضرت یزید کی کنپٹی پر رسید کیا اور سارا سامان سمیٹ کر گھر کے درمیان رکھ دیا اور ان لوگوں سے کہا میرے واپس آنے تک تم میں سے کوئی بھی اس جگہ سے نہ ہلے۔ سب یہیں رہیں، پھر یہ دونوں حضرات حضرت یزید کے پاس سے باہر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے یرُفا! آؤ چلیں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہیں ان کے پاس بھی مجلس جمی ہوئی ہوگی اور چراغ جل رہا ہوگا اور مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے دیباج بچھا رکھا ہوگا، تم انہیں سلام کرو گے، وہ تمہارے سلام کا جواب دیں گے، پھر تم ان سے اندر آنے کی اجازت مانگو گے وہ اجازت دینے سے پہلے پوچھیں گے کہ تم کون ہو؟ چنانچہ حضرت عمرو کے دروازے پر پہنچے۔ حضرت عمر نے فرمایا السّلام علیکم۔ حضرت عمرو نے جواب دیا وعلیکم السّلام۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں اندر آجاؤں، حضرت عمرو نے پوچھا آپ کون ہیں؟ حضرت یرُفا نے کہا یہ وہ ہستی ہے جو تمہارے ساتھ ناگوار سلوک کرے گی، یہ امیر المؤمنین ہیں۔ حضرت عمرو نے دروازہ کھولا (یہ دونوں حضرات اندر گئے) اندر جا کر ان حضرات نے دیکھا کہ مجلس لگی ہوئی ہے اور چراغ جل رہا ہے اور ریشم اور دیباج بچھا رکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے یرُفا جلدی سے دروازہ بند کرو، دروازہ بند کرو، پھر ایک کوڑا حضرت عمرو کی کنپٹی پر رسید کیا پھر سارا سامان سمیٹ کر گھر کے درمیان رکھ دیا۔ پھر ان لوگوں سے فرمایا میرے واپس آنے تک تم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے، سب یہیں رہیں۔ پھر یہ دونوں حضرات حضرت عمرو کے پاس سے باہر آئے۔ حضرت عمر نے فرمایا اے یرُفا! آؤ چلیں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں اور ان کو دیکھتے ہیں، ان کے پاس مجلس جمی ہوئی ہوگی اور چراغ جل رہا ہوگا اور مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے اُونی کپڑا

بچھا رکھا ہوگا۔تم ان سے اندر آنے کی اجازت مانگو گے وہ اجازت دینے سے پہلے معلوم کریں گے کہ تم کون ہو؟ چنانچہ ہم ان کے پاس گئے تو وہاں بھی مجلس جمی ہوئی تھی۔ چراغ جل رہا تھا اور اُونی کپڑا بچھا رکھا تھا، حضرت عمر نے ان کی کنپٹی پر ایک کوڑا رسید کیا اور فرمایا اے ابو موسیٰ! تم بھی (یہاں آکر بدل گئے ہو اور وہی کر رہے ہو جو دوسرے کر رہے ہیں) حضرت ابو موسیٰ نے کہا میں نے تو کم کیا ہے، میرے ساتھیوں نے جو کچھ کرلیا ہے آپ وہ دیکھ ہی چکے ہیں (وہ میرے سے زیادہ ہے) اللہ کی قسم! مجھے بھی اتنا مِلا جتنا میرے ساتھیوں کو مِلا۔ حضرت عمر نے فرمایا پھر یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ اتنا کرنے سے ہی (اَمارت کا) کام ٹھیک چلے گا، پھر حضرت عمر نے سارا سامان سمیٹ کر گھر کے بیچ میں رکھ دیا اور ان لوگوں سے فرمایا، میرے واپس آنے تک تم میں سے کوئی بھی یہاں سے باہر نہ جائے سب یہیں رہیں۔ جب ہم ان کے پاس سے باہر آئے تو حضرت عمر نے فرمایا اے یَرْ فا! آؤ ہم اپنے بھائی (حضرت ابو الدَّرْدَاء) کے پاس چلیں اور ان کو دیکھیں، نہ ان کے ہاں مجلس لگی ہوئی ہوگی، نہ چراغ ہوگا اور نہ ان کے دروازے کو بند کرنے کی کوئی چیز کنڈی وغیرہ ہوگی، کنکریاں بچھا رکھی ہوں گی، پالان کے نیچے ڈالنے والے کمبل کو تکیہ بنا رکھا ہوگا۔ان پر پتلی چادر ہوگی جس میں انہیں سردی لگ رہی ہوگی۔تم انہیں سلام کرو گے وہ تمہارے سلام کا جواب دیں گے، پھر تم ان سے اندر آنے کی اجازت مانگو گے۔ وہ یہ معلوم کئے بغیر ہی تم کو اجازت دے دیں گے کہ تم کون ہو؟ چنانچہ ہم دونوں چلے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو الدرداء کے دروازے پر پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا السّلام علیکم، حضرت ابو الدرداء نے کہا وعلیکم السّلام۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں اندر آجاؤں؟ انہوں نے کہا آجائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کو دھکا دیا تو اس کی کُنڈی نہیں تھی۔ ہم اندر گئے تو کمرہ میں اندھیرا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو (اندھیرے کی وجہ سے) ٹٹولنے لگے یہاں تک کہ

ان کا ہاتھ حضرت ابو الدرداء کو لگ گیا۔ پھر ان کے تکیہ کو ٹٹولا تو وہ پالان کا کمبل تھا، پھر ان کے بچھونے کو ٹٹولا تو وہ کنکریاں تھیں، پھر ان کے اُوپر کے کپڑے کو ٹٹولا تو وہ باریک سی چادر تھی، حضرت ابو الدرداء نے کہا یہ کون ہے؟ کیا یہ امیر المؤمنین ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابو الدرداء نے کہا اللہ کی قسم! آپ بڑی دیر سے آئے ہیں، میں سال بھر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ آپ پر رحم فرمائے، کیا میں نے آپ پر وسعت نہیں کی؟ اور کیا میں نے آپ کے ساتھ فلاں فلاں احسان نہیں کئے؟ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا اے عمر! کیا آپ کو وہ حدیث یاد نہیں ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان کی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کونسی حدیث؟ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تم میں سے ایک آدمی کے پاس زندگی گزارنے کا اتنا سامان ہونا چاہیے جتنا سوار کے پاس سفر کا توشہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں (یاد ہے) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا اے عمر! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے کیا کیا؟ پھر دونوں ایک دوسرے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں یاد دلا کر صبح تک روتے رہے۔

درست فیصلہ کرنا

الحدیث:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی منصف سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے اور پھر وہ فیصلہ درست ہو تو اُس کو دُگنا ثواب ہے اور جو شخص غور و فکر کرے لیکن وہ ٹھیک نہ ہو تو ایک ثواب ہے۔

(سنن نسائی، جلد سوم، حدیث 5386 کتاب ادب القضاہ صفحہ 452 مطبوعہ فرید بک لاہور)

صحیح فیصلہ کرتے ہوئے غلطی پر اَجر ہے

الحدیث:...... حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اُنہوں نے سرکارِ اعظم

ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سُنا ہے جب کوئی فیصلہ کرنے والا، فیصلہ کرتے وقت (صحیح فیصلہ کرنے کی) پوری کوشش کرے اور پھر اس سے غلطی سرزد ہو جائے تو بھی اُسے اَجر ملے گا۔ (مُسلم شریف جلد دوم، حدیث 4373، صفحہ 608 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

قَسم اور ایک گواہ پر فیصلہ کرنا

الحدیث:...... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکارِ اعظم ﷺ نے قسم اور ایک گواہ پر (مقدمے کا) فیصلہ کر دیا تھا۔

(مسلم شریف، جلد دوم حدیث 4358 صفحہ 604، مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

جس کے خلاف دعویٰ کیا گیا اس پر قسم اُٹھانا لازم ہے

الحدیث:...... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، سرکارِ اعظم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اُن کے دعویٰ کے تحت ہی دیا جانے لگے تو لوگ دوسرے لوگوں کے خون اور اموال (کے حصول) کا دعویٰ کرنے لگیں گے۔ (اصول یہ ہے کہ) جس شخص کے خلاف دعویٰ کیا گیا ہے اُس پر (صرف) قسم اُٹھانا لازم ہے۔

(مسلم شریف، جلد دوم، حدیث 4356، صفحہ 604 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

غُصّے کی حالت میں فیصلہ

الحدیث:...... عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں میرے والد (حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ) نے عبیداللہ کو خط لکھا، یہ خط میں نے تحریر کیا، عبداللہ سجستان کے قاضی تھے (خط میں یہ تحریر کیا) کہ جب تم غُصّے کی حالت میں ہو تو وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے سرکارِ اعظم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کوئی شخص غُصّے کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔

(مُسلم شریف، جلد دوم، حدیث 4376، صفحہ 609 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

بہترین گواہ

الحدیث:...... حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ، سرکارِ اعظم ﷺ کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کا مطالبہ کئے جانے سے پہلے ہی (اپنا فرض سمجھ کر حق کو ظاہر کرنے کے لئے خود جا کے) گواہی دے۔

(مسلم شریف، جلد دوم، حدیث 4380، صفحہ 610 مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

ظاہری اعمال کے مطابق فیصلہ کرنا

حضرت عبداللہ بن عُتْبَہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں لوگوں کے ساتھ وحی کے مطابق معاملہ کیا جاتا تھا (جس میں بعض دفعہ ان کے چُھپے ہوئے کاموں کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ کیا کرتے تھے) اور اَب وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ اَب ہم تمہارے ظاہری اعمال کے مطابق معاملہ کریں گے، جو ہمارے سامنے اچھے کام کرے گا ہم اسے امین سمجھ کر اپنے قریب کریں گے۔ ہمیں اس کے اندرونی اعمال سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا، اس کے اندرونی اعمال کا اللہ ہی مُحاسبہ فرمائے گا اور جو ہمارے سامنے بُرے کام کرے گا نہ ہم اسے امین سمجھیں گے اور نہ اسے سچّا مانیں گے، اگرچہ وہ کہتا رہے کہ اس کا اندرون بہت اچھا ہے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (خلیفہ بننے کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جو بیان فرمایا وہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ اس کے بعد فرمایا:

اما بعد! (اب میرا تم سے واسطہ پڑ گیا ہے) میری آزمائش تمہارے ذریعہ سے ہوگی اور تمہاری میرے ذریعہ سے اور میرے دونوں ساتھیوں (حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) کے بعد مجھے تم لوگوں کا خلیفہ بنا دیا گیا ہے۔ جو ہمارے پاس موجود ہوگا اس سے تو ہم خود

معاملہ کرلیں گے اور جو ہم سے غائب ہوگا اس پر ہم طاقتور اور امانت دار آدمی کو امیر بنائیں گے، لہٰذا اب جو شخص اچھی طرح چلے گا اس کے ساتھ ہم اچھا سلوک کریں گے اور جو غلط چلے گا اسے ہم سزا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔"

جو تکلیف عام مسلمانوں پر آئے اس میں حاکم کا مسلمانوں کی رعایت کرنا

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب امیر المؤمنین (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے یہ سُنا کہ شام میں لوگ طاعون میں مُبتلا ہو رہے ہیں تو انہوں نے حضرت ابوعُبیدہ بن جَراح رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا مجھے ایک کام میں تمہاری ضرورت پیش آ گئی ہے، میں تمہارے بغیر اس کام کو نہیں کر سکتا، اس لئے میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں اگر تمہیں میرا یہ خط رات کو ملے تو صبح ہونے سے پہلے اور اگر دن میں ملے تو شام ہونے سے پہلے تم سوار ہو کر میری طرف چل پڑو۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے (خط پڑھ کر) کہا امیر المؤمنین کو جو ضرورت پیش آئی ہے میں اسے سمجھ گیا۔ جو آدمی اب دنیا میں رہنے والا نہیں ہے وہ اسے باقی رکھنا چاہتے ہیں (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے ہیں کہ میں طاعون کی وَبا والا علاقہ چھوڑ کر مدینہ چلا جاؤں اور اس طرح موت سے بچ جاؤں لیکن میں موت سے بچنے والا نہیں ہوں) حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب میں یہ لکھا کہ میں مسلمانوں کے ایک لشکر میں ہوں، جان بچانے کے لئے میں انہیں چھوڑ کر جانے کے لئے تیار نہیں ہوں اور جو ضرورت آپ کو پیش آئی ہے میں اسے سمجھ گیا ہوں آپ اسے باقی رکھنا چاہتے ہیں جو اب دنیا میں باقی رہنے والا نہیں ہے۔ لہٰذا جب میرا یہ خط آپ کی خدمت میں پہنچ جائے تو آپ مجھے اپنی قسم کے پورا کرنے سے معاف فرما دیں اور مجھے یہاں ہی ٹھہرنے کی اجازت دے دیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا خط پڑھا تو ان کی

آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور رونے لگے تو حاضرینِ مجلس نے کہا کیا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں، لیکن یوں سمجھو کہ ہو گیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اُردن کا سارا علاقہ وَبا سے متاثر ہو چکا ہے اور جابِیہ شہر وَبا سے محفوظ ہے اس لئے آپ مسلمانوں کو لے کر وہاں چلے جائیں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھ کر فرمایا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی یہ بات تو ہم ضرور مانیں گے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ میں سوار ہو کر لوگوں کو ان کی قیام گاہوں میں ٹھہراؤں، اتنے میں میری بیوی کو بھی طاعون ہو گیا۔ میں (حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتانے کے لئے) ان کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ خود جا کر لوگوں کو ان کی قیام گاہوں میں ٹھہرانے لگے، پھر خود ان کو طاعون ہو گیا جس میں ان کا انتقال ہو گیا اور پھر طاعون کی وَبا ختم ہو گئی۔ حضرت ابو الموجہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چھتیس ۳۶ ہزار کا لشکر تھا جن میں سے صرف چھ ہزار زندہ بچے (باقی تیس ۳۰ ہزار کا اس طاعون میں انتقال ہو گیا) حضرت سُفیان بن عُیَیْنہ نے اس سے مختصر روایت نقل کی ہے۔ (ابن عساکر)

حاکم نے اسی روایت کو حضرت سفیان کے واسطہ سے نقل کیا ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر) کہا اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین پر رحم فرمائے وہ ان لوگوں کو بچانا چاہتے ہیں جو اَب بچنے والے نہیں ہیں، پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا کہ میرے ساتھ مسلمانوں کا ایک لشکر ہے جن میں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے، میں اپنی جان بچانے کے لئے ان کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ ابن اسحاق نے حضرت طارق کے واسطہ سے اسی روایت کو نقل کیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ اے امیر المؤمنین! آپ کو جس وجہ سے میری ضرورت ہے وہ میں سمجھ گیا ہوں۔ میرے ساتھ مسلمانوں کا ایک لشکر ہے میں اپنی جان بچانے کے لئے ان کو نہیں چھوڑ

سکتا ہوں۔ لہٰذا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں فیصلہ نہ کر دے میں
ان سے جُدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اے امیر المؤمنین! آپ اپنی قسم کے پورا کرنے
سے مجھے معاف فرمائیں اور مجھے اپنے لشکر میں رہنے دیں۔ (ابنِ اسحٰق)

امیر کا شفیق ہونا

حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضرت ابو اُسَید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں
بحرین سے کچھ قیدی لے کر آئے۔ آپ نے ان قیدیوں میں ایک عورت کو دیکھا کہ وہ
رو رہی ہے آپ نے اس سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا انہوں نے یعنی حضرت
ابو اُسید رضی اللہ عنہ نے میرے بیٹے کو بیچ دیا ہے، (میں بیٹے کی جدائی میں رو رہی ہوں) حضور ﷺ
نے پوچھا کن لوگوں کے ہاتھ بیچا ہے؟ انہوں نے کہا قبیلہ بنو عبس کے ہاتھ،
حضور ﷺ نے فرمایا تم خود سوار ہو کر اس قبیلہ کے پاس جاؤ اور اس بچہ کو لے کر آؤ۔
(ابنِ ابی شیبہ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ
اچانک انہوں نے ایک عورت کے چیخنے کی آواز سُنی تو انہوں نے (اپنے دربان سے)
کہا اے یَرْفا! دیکھو یہ آواز کیسی ہے؟ وہ دیکھ کر آئے تو عرض کیا کہ ایک قریشی لڑکی کی
ماں فروخت کی جا رہی ہے (اس وجہ سے وہ لڑکی رو رہی ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جاؤ
اور حضرات مہاجرین و انصار کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ گھر اور
حجرہ (ان حضرات سے) بھر گیا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''امابعد! کیا آپ حضرات جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ جو دین لے کر آئے تھے
اس میں قطع رحمی بھی شامل ہے؟ ان حضرات نے فرمایا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا
لیکن آج یہ قطع رحمی آپ لوگوں میں بہت پھیل گئی ہے، پھر یہ آیت پڑھی: فَهَلْ عَسَيْتُمْ

اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ. (سورۃ محمد، آیت ۲۲)

ترجمہ: سو اگر تم کنارہ کش رہو تو آیا تم کو یہ احتمال بھی ہے کہ تم دنیا میں فساد مچا دو
اور آپس میں قطع قرابت کر دو۔ پھر فرمایا اس سے زیادہ سخت اور کونسی قطع رحمی ہو سکتی ہے
کہ ایک (آزاد) عورت کی ماں کو بیچا جا رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو اَب
بہت وُسعت دے رکھی ہے۔ ان حضرات نے کہا اس بارے میں آپ جیسا مناسب
سمجھیں ضرور کریں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام علاقوں کو خط لکھا کہ کسی آزاد انسان
کی ماں کو نہ بیچا جائے کیونکہ اسے بیچنا قطع رحمی بھی ہے اور حلال بھی نہیں ہے۔ (بیہقی)

حضرت ابو عثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو اَسَد کے
ایک آدمی کو ایک کام کا امیر مقرر کیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تقرر نامہ لینے آئے،
اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بچہ ان کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بچہ
کا بوسہ لیا، اس اَسَدی نے کہا امیر المؤمنین! آپ اس بچے کا بوسہ لے رہے ہیں؟ اللہ
کی قسم! میں نے آج تک کبھی کسی بچہ کا بوسہ نہیں لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (جب
تمہارے دل میں بچوں کے بارے میں شفقت نہیں ہے) پھر تو اللہ کی قسم! دوسرے لوگوں
کے بارے میں شفقت اور کم ہوگی۔ لاؤ ہمارا تقرر نامہ واپس دے دو۔ آئندہ تم میری
طرف سے کبھی امیر نہ بننا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اَمارت سے ہٹا دیا۔

اچھے حاکم کا مملکت پر اثر

الحدیث:...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا کہ
جب تمہارے حاکم اچھے لوگ ہوں گے، تمہارے مالدار سخی لوگ اور تمہارے معاملات
باہمی مشورہ سے طے ہوں گے تو زمین کا ظاہر اس کے باطن سے تمہارے لئے زیادہ
بہتر ہے اور جب تمہارے حاکم، شریر ہوں گے، تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے

معاملات عورتوں کے سُپرد ہوں اُس وقت زمین کا بطن تمہارے لئے اس ظاہر سے زیادہ بہتر ہے (یعنی مرجانا)۔ (ترمذی شریف جلد دوم، حدیث 148، صفحہ 77 مطبوعہ فرید بک لاہور)

نوشیرواں بادشاہ کا واقعہ

سرکارِ اعظم ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری سے قبل نوشیرواں بادشاہ کی حکومت تھی نوشیرواں بادشاہ بہت رُعب و دبدبہ کا حامل تھا ایک مرتبہ وہ سلطنت کی سیر کے لئے نکلا سیر کرتے کرتے اُس کا گُزر ایک باغ سے ہوا باغ میں اُس کی نظر ایک اَنار پر پڑی اُس نے خادم سے اَنار کھانے کا ارادہ ظاہر کیا چنانچہ اس باغ کے مالک کو بُلایا گیا باغ کے مالک نے اَنار توڑ کر نوشیرواں کی خدمت میں پیش کیا نوشیرواں کو اَنار میں اس قدر مزہ آیا کہ وہ سوچنے لگا کہ میری سلطنت میں اتنا میٹھا اور لذیذ پھل پیدا ہوتا ہے اُس نے دل ہی دل میں یہ نیت کرلی کہ اس باغ پر قبضہ کرلیا جائے۔

اس کے بعد اُس نے دوسرے اَنار کا باغ کے مالک سے مطالبہ کیا چنانچہ مالک نے اُسی درخت سے اَنار توڑ کر بادشاہ کو دیا، بادشاہ نے جیسے ہی اَنار کھایا اَنار کو بالکل پھیکا اور بدمزہ پایا بادشاہ بہت حیران ہوا کہ کیا ماجرا ہے؟ اُس نے باغ کے مالک سے کہا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟

باغ کے مالک نے کہا کہ گستاخی معاف بادشاہ سلامت! پہلے جب آپ نے اَنار کھایا تو اُس وقت آپ کی نیت پاکیزہ تھی مگر جب دوسرا اَنار آپ نے منگوایا تو آپ کی نیت بدل چُکی تھی لہٰذا اگر بادشاہوں کی نیت اچھی ہو تو اس کا اچھا اثر سلطنت کی ہر ہر شئے پر ہوتا ہے اور اگر بادشاہ کی نیت خراب ہوجائے، اس کی نیت ظلم و جبر کی ہوجائے، اس کی نیت میں فتور آجائے تو اُس کا اثر رعایا سمیت مملکت کی ہر ہر شئے پر پڑتا ہے۔

حاکم اللہ تعالیٰ سے محبت کرے تو لوگ آپس میں محبت کرتے ہیں

ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ شیر اور بکری کا رشتہ کیسا ہے شیر بکری کو دیکھتے ہی اپنا نوالہ بنا لیتا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے دورِ خلافت کا واقعہ ہے کہ آپ کا عدل و انصاف ہر ایک کے لئے یکساں تھا ایک مرتبہ آپ کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے شیر اور بکری کو ایک گھاٹ میں پانی پیتے دیکھا تو حیران ہوا اور یہ ماجرا حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں واقعہ بیان کیا، آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے میں خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں مخلوق آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتی ہے۔

معلوم ہوا کہ حکمران کا نیک سیرت ہونا مملکت کے لئے بھی فائدہ مند ہے اور حکمران کا بدعملی کا شکار ہونا مملکت کے لئے نحوست اور بربادی کا باعث ہے۔

اسلام میں عورت کی حکمرانی

الحدیث: ......حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسی بات سے بچایا جو میں نے سرکارِ اعظم ﷺ سے سُنی تھی۔ جب ایران کا بادشاہ کسریٰ فوت ہوگیا تو سرکارِ اعظم ﷺ نے دریافت فرمایا لوگوں نے اَب تخت پر کس کو بٹھایا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اُس کی بیٹی کو۔ تو سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاتی جو اپنی حکومت عورت کے اختیار میں دے دے۔

(سُنن نسائی شریف، جلد سوم، حدیث 5293 صفحہ 454 مطبوعہ فرید بک لاہور)

حُکمران کی طبیعت معتدل ہونی چاہیے

حکمران کو نہ حد سے زیادہ نرم نہ حد سے زیادہ سخت ہونا چاہیے بلکہ اس کی طبیعت معتدل رہنی چاہیے اس کی واضح مثال حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی ہیبت لوگوں

کے دلوں میں ہوتی تھی لہٰذا کوئی مجرم جُرم کے ارتکاب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہیبت سے کانپتا تھا اِسی طرح آپ رحم دل بھی بہت تھے کہ غریبوں اور دردمندوں کو سینے سے لگاتے اور اُن کا خیال رکھتے تھے۔

ہیبتِ فاروقی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں جو دُرّا تھا اُس میں اس قدر ہیبت تھی گویا آج کل کی بندوقوں میں وہ ہیبت نہیں آپ رضی اللہ عنہ جس گلی سے گزر جاتے شیطان اُس گلی سے نہیں گزرتا تھا اتنا آپ سے ڈرتا تھا۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ اپنی کتاب طبقات الشافعیہ میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینے شریف میں ایک شدید زلزلہ آیا اور زمین ہلنے لگی، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کچھ دیر خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے رہے مگر زلزلہ ختم نہ ہوا۔

آپ جلال میں آ گئے اور آپ نے اپنا دُرّہ زمین پر مار کر فرمایا کہ ''اقدّی الم اعدل علیک قلتقرت من وقتھا'' اے زمین ساکن ہو جا کیا میں نے تیرے اُوپر انصاف نہیں کیا ہے؟ یہ فرماتے ہی فوراً زلزلہ ختم ہو گیا اور زمین ٹھہر گئی۔

(بحوالہ: کتاب ازالۃ الخفاء صفحہ 172 جلد دوم)

علماء فرماتے ہیں کہ اُس وقت کے بعد پھر کبھی مدینے شریف کی سرزمین پر زلزلہ نہیں آیا۔

سورج پر ہیبت

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کپڑا سی رہے تھے سورج نے گرمی دکھائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سورج کو فرمایا محمد ﷺ کے غلاموں سے تیزی! سورج نے

فوراً گرمی سمیٹ لی۔ (بحوالہ: بحر العلوم شرح مثنوی 12)

مجرم پر ہیبت

مدینہ پاک کی گلی سے ایک شرابی نوجوان شراب کی بوتل لئے جا رہا تھا راستہ میں اُس نے کیا دیکھا کہ سامنے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے ہیں اُس شرابی نوجوان کی نظر جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر پڑی اُس نے بوتل چھپانے کی کوشش کی اور تھر تھر کانپتے ہوئے دل ہی دل میں رَبّ تعالیٰ سے توبہ کی اور ارادہ کیا کہ اے مولیٰ جل جلالہ آج اگر تو نے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بچا لیا تو آئندہ کبھی شراب نہیں پیوں گا۔

جیسے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے قریب آئے وہ تھر تھر کانپ رہا تھا آپ نے اُس سے پوچھا کہ اس بوتل میں کیا ہے؟ اُس نے منہ سے نکل گیا دودھ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوتل کو چیک کیا تو اُس بوتل میں سے دودھ ہی نکلا یوں وہ نوجوان چلا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سارا راستہ اور ساری رات یہ سوچتے رہے کہ اگر نوجوان کی بوتل میں دودھ تھا تو وہ گھبرا کر کانپ کیوں رہا تھا؟ رات جب سوئے تو آپ پر یہ راز کُھلا اور کہنے والے نے کہا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! اُس بوتل میں شراب تھی مگر اُس شخص کی سچّی توبہ کی وجہ سے ہم نے شراب کو دودھ میں بدل دیا۔

اس واقعہ سے ایک طرف توبہ کی برکت ثابت ہوئی وہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت بھی واضح ہوئی یہ رُعب، دبدبہ، جَلال اور مجرموں کا تھر تھر کانپنا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے نعمت تھا کیونکہ وہ رَبّ تعالیٰ سے ڈرتے تھے لہٰذا مخلوق پر آپ کی ہیبت تھی۔

حکمران کا عقلمند ہونا شرط ہے

حکمران کے عقلمند ہونے کا ذکر اس لئے کیا کہ بعض مقامات پر وزراء اور مشیر پر

تقیہ کیا جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے حکمران نہایت عقلمند ہونا چاہیے ورنہ حکمران کو وزراء کے تابع ہوکر رہنا پڑے گا تو اس صورت میں وزراء حکمران اور حکمران وزیر ہوگا۔

مشیر چاپلوس نہیں بلکہ بہتر مشورے دینے والے ہونے چاہیے

کامیاب حکمران وہ ہیں جس کے مشیر چاپلوس اور خوشامد کرنے والے نہیں بلکہ اچھے مشورے دینے والے ہونے چاہیے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے عرض کی حضور! حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دورِ خلافت میں کتنی فتوحات ہوئیں اور اسلامی سلطنت کئی لاکھ مربع میل تک پہنچ گئی مگر آپ کے دورِ خلافت میں کوئی خاص فتوحات نہیں ہوئیں اس کی کیا وجہ ہے؟

یہ سُن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خُلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں فتوحات اس لئے ہوئیں کیونکہ اُن کو مشورہ دینے والے مشیر مجھ جیسے تھے اور مجھے مشیر تم جیسے ملے اس لئے میرے دورِ خلافت میں کوئی خاص فتوحات نہیں ہوئیں۔

امیر کے سامنے حق بات کہنا اور جب وہ اللہ کے حکم کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کے حکم کو ماننے سے انکار کر دینا

(1)......حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی (پڑھی ہوئی) ایک آیت کا انکار کیا (کہ یہ قرآن میں نہیں ہے یا قرآن میں اس طرح نہیں ہے) حضرت اُبی نے کہا میں نے اس آیت کو حضور ﷺ سے سُنا ہے اور آپ تو بقیع بازار میں خرید وفروخت میں مشغول رہا کرتے تھے (اس لئے آپ کو یہ آیت حضور ﷺ سے سُننے کا موقع نہیں ملا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ نے ٹھیک کہا، میں

نے آپ کی آیت کا قصداً انکار آپ لوگوں کو آزمانے کے لئے کیا تاکہ پتہ چلے کہ آپ میں کوئی ایسا آدمی ہے جو (امیر کے سامنے) حق بات کہہ سکے۔ اس امیر میں کوئی خیر نہیں ہے جس کے سامنے حق بات نہ کہی جاسکے اور نہ وہ خود حق بات کہہ سکے۔ (کنزالعمال)

(2)......حضرت ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ. تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تم نے غلط پڑھا۔ حضرت اُبی نے کہا (میں نے ٹھیک پڑھا ہے) آپ کی غلطی زیادہ ہے۔ کسی آدمی نے (حضرت اُبی سے) کہا آپ امیر المؤمنین (کی بات) کو غلط کہہ رہے ہیں، حضرت اُبی نے کہا میں تم سے زیادہ امیر المؤمنین کی تعظیم کرنے والا ہوں۔ لیکن چونکہ ان کی بات قرآن کے خلاف تھی اس وجہ سے میں نے قرآن کے مقابلہ میں ان کی بات کو غلط کہا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ میں قرآن کو غلط کہوں اور امیر المؤمنین کی (غلط) بات کو ٹھیک کہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت اُبی ٹھیک کہتے ہیں۔ (ابن جریر)

(3)......حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تھے اور ان کے اردگرد حضرات مہاجرین اور انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا یہ بتانا کہ اگر میں کسی کام میں ڈھیل برتوں تو تم کیا کرو گے؟ تمام حضرات ادباً خاموش رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اس بات کو دو تین مرتبہ دُہرایا، تو حضرت بشیر بن سعد نے فرمایا اگر آپ ایسا کریں گے تو ہم آپ کو ایسا سیدھا کردیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (خوش ہوکر) فرمایا پھر تو تم لوگ ہی (امیر کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل ہو)۔ (ابنِ عساکر)

(4)......حضرت موسیٰ بن ابی عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قبیلہ

بنو حارثہ کی پانی کی سبیل کے پاس آئے وہاں انہیں حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ملے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے محمد! مجھے کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں آپ کو ویسا پاتا ہوں جیسا میں چاہتا ہوں اور جیسا ہر وہ آدمی چاہتا ہے جو آپ کے لئے بھلا چاہتا ہے ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ مال جمع کرنے میں خوب زور دار ہیں لیکن آپ خود مال سے بچتے ہیں اور اسے انصاف سے تقسیم کرتے ہیں ۔ اگر آپ ٹیڑھے ہو گئے تو ہم آپ کو ایسا سیدھا کر دیں گے جیسے اوزار سے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (خوش ہو کر) فرمایا اچھا (تم مجھے کہہ رہے ہو کہ) اگر آپ ٹیڑھے ہو گئے تو ہم آپ کو ایسا سیدھا کر دیں گے جیسے اوزار سے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے ۔ پھر فرمایا اللہ کا شُکر ہے کہ اس نے مجھے ایسے لوگوں میں (امیر) بنایا کہ میں اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو وہ مجھے سیدھا کر دیں ۔ (کنز العمال)

(5)......حضرت ابو قبیل کہتے ہیں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن منبر پر چڑھے اور اپنے خطبہ میں فرمایا یہ (اجتماعی) مال ہمارا ہے اور خراج کا مال اور لڑ کے بغیر ملنے والا مالِ غنیمت بھی ہمارا ہے، جسے چاہیں گے دیں گے اور جسے چاہیں گے نہیں دیں گے ۔ اس پر کسی نے کچھ نہیں کہا ۔ اگلے جمعہ کو بھی انہوں نے (خطبہ میں) یہی بات کہی ۔ پھر کسی نے کچھ نہیں کہا ۔ جب تیسرا جمعہ آیا تو انہوں نے خطبہ میں پھر وہی بات کہی تو حاضرینِ مسجد میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا، ہرگز نہیں ۔ یہ (اجتماعی) مال ہمارا ہے اور یہ خراج کا مال اور مالِ غنیمت ہمارا ہے ۔ لہٰذا جو ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہو گا ہم اپنی تلواروں سے اس کو اللہ کے فیصلہ کی طرف لے جائیں گے ۔ حضرت معاویہ (منبر سے) نیچے اُتر آئے اور اس آدمی کو بلانے کے لئے پیغام بھیج دیا ۔ (اور جب وہ آ گیا تو) اسے اندر بلا لیا ۔ لوگ کہنے لگے یہ آدمی تو ہلاک

ہو گیا، پھر لوگ اندر گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ آدمی تو حضرت معاویہ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوا ہے ۔ حضرت معاویہ نے لوگوں سے کہا اس آدمی نے مجھے زندہ کر دیا ۔ اللہ اسے زندہ رکھے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میرے بعد ایسے امیر ہوں گے کہ اگر وہ کوئی (غلط) بات کہیں گے تو کوئی ان کی تردید نہ کر سکے گا ۔ وہ آگ میں ایک دوسرے پر ایسے اندھا دُھند گریں گے جیسے (کسی درخت کے اُوپر سے) بندر ایک دوسرے پر چھلانگ لگاتے ہیں ۔ چنانچہ میں نے پہلے جمعہ کو یہ (غلط) بات (قصداً) کہی تھی ۔ کسی نے میری تردید نہیں کی، جس سے مجھے ڈر ہوا کہ کہیں میں (آگ میں گرنے والے) ان امیروں میں سے نہ ہوں، پھر میں نے اپنے دل میں کہا میں تو ضرور ان ہی امیروں میں سے ہوں ۔ پھر میں نے تیسرے جمعہ کو وہی بات تیسری مرتبہ کہی تو اس آدمی نے کھڑے ہو کر میری تردید کی ۔ اس طرح اس نے مجھے زندہ کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھے ۔ (طبرانی و مسند ابو یعلی)

(6)......حضرت خالد بن حکیم بن حزام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ملک شام کے گورنر تھے ۔ انہوں نے ایک مقامی ذِمّی (کافر) کو (جزیہ نہ دینے پر) سزا دی ۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے (سزا دینے کے بارے میں) بات کی ۔ لوگوں نے حضرت خالد سے کہا آپ نے تو امیر کو ناراض کر دیا ۔ انہوں نے کہا میرا ارادہ تو انہیں ناراض کرنے کا نہیں تھا بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں ایک حدیث سُنی تھی وہ حدیث انہیں بتانا چاہتا تھا اور وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہو گا جو دنیا میں لوگوں کو سب سے زیادہ سزا دیں گے ۔

﴿قرآن مجید کی روشنی میں مملکت کے دستور، حکومت کے اغراض ومقاصد﴾

1)......مملکت سے داخلی اور خارجی فتنہ وفساد کو دفع کرنا﴾

القرآن:......ترجمہ: تو اُنہوں نے ان کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اُنہیں سلطنت اور حکمت عطا فرمائی اور جو چاہا اُنہیں علم عطا فرمایا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع کرنا بعض لوگوں کو بعض سے تو زمین ضرور تباہ ہو جاتی۔

(سورۂ بقرہ، آیت 251، پارہ 2)

2)......تمام باشندگانِ مملکت کو عدل واعتدال پر قائم کرنا﴾

القرآن:......ترجمہ: اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزانِ عدل نازل فرمائی تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہوں۔ (سورۂ حدید، آیت 25، پارہ 27)

3)......امر بالمعروف ونہی عن المنکر﴾

القرآن:......ترجمہ: وہ لوگ (ایسے ہیں کہ) اگر ہم اُنہیں زمین میں سلطنت عطا فرمائیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ (سورۂ حج آیت 41 پارہ 17)

4)......حاکم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے مگر وہ جِسے چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے﴾

القرآن:......ترجمہ: کہیئے اے اللہ! ملک کے مالک! تو سلطنت دیتا ہے جِسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے مُلک جس سے چاہے۔ (سورۂ آلِ عمران، آیت 26، پارہ 3)

5)......اسلامی ملک میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سوا کوئی قانون نہیں ہوسکتا﴾

القرآن:......ترجمہ: وہ لوگ (ایسے ہیں) اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت عطا فرمائیں (تو) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم کریں اور بُرائی سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ (سورۂ حج، آیت 41 پارہ 17)

6)......طرزِ حکومت جمہوری شورائی﴾

القرآن:......ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو قبول کیا اور نماز قائم رکھی اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے اُنہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ (سورۂ شوریٰ، آیت 38 پارہ 25)

القرآن:......ترجمہ: اور (ضروری) کاموں میں ان سے مشورہ لیں پھر جب (کسی کام کا) آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں (اور اسے کر گزریں) بیشک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (سورۂ آلِ عمران، پارہ 4، آیت 159)

7)......عدل کے ساتھ فیصلہ ہو﴾

القرآن:......ترجمہ: بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ادا کرو امانتیں، امانت والوں کو اور یہ کہ جب تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو عدل کے ساتھ۔

(سورۂ نساء، آیت 58، پارہ 5)

8)......قرآن وسُنّت کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا﴾

القرآن:......ترجمہ: اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اُن کی جو تم میں سے امر والے ہوں پھر اگر تم جھگڑا کرو کسی چیز میں تو اسے لوٹا دو اللہ

اوراس کے رسول کی طرف ۔(سورۂ نساء، آیت 59، پارہ 5)

9)......مسلمانوں میں سے جغرافیائی، قبائلی، نسلی، لسانی اور غیر اسلامی تعصّبات دور کرنا اسلامی مملکت کی ذمہّ داری ہے

القرآن:......ترجمہ: یقیناً اس کے سوا کچھ نہیں کہ سب مسلمان (آپس میں) بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کراؤ اوراللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ اے ایمان والو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اُڑائے بعید نہیں کہ وہ اُن (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا (مذاق اُڑایا کریں) عجب نہیں کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں طعنہ زنی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے بُلاؤ کیا ہی بُرا نام ہے ایمان کے بعد فاسق کہلانا اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بیشک بعض گمان گناہ ہیں اور (عیبوں کی) جستجو نہ کرو اور ایک دوسرے کی غیبت (بھی) نہ کرو کیا تم میں کوئی پسند کرے گا کہ وہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تو تم اس سے (انتہائی) کراہت (محسوس) کرتے ہو اوراللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ توبہ کو بہت قبول کرنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔(سورۂ حجرات، آیت 10 تا 12، پارہ 26)

10)......غیر مُسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اوراُنہیں اپنی مذہبی رسوم کی ادائیگی کی آزادی ہو

القرآن:......ترجمہ: دین میں زبردستی نہیں بیشک خوب ظاہر ہوچکی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو شیطان (کے حکم) کا انکار کرے اوراللہ پر ایمان لائے تو بیشک اس نے ایسا مضبوط دستہ تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اوراللہ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے۔

(سورۂ بقرہ، آیت 256 پارہ 3)

11)......ملک کی دولت میں سب کے حقوق مساوی ہیں

القرآن:......ترجمہ: (اُن) بستیوں والوں سے (نکال کر) جو (مال) اللہ نے اپنے رسول پر لوٹا دیئے تو وہ اللہ اور رسول کے لئے ہیں اور (رسول کے) قربت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہیں تا کہ وہ گردش نہ کرتے رہیں تمہارے مال داروں کے درمیان اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں رک جاؤ اوراللہ سے ڈرو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (یہ مال) فُقراء مہاجرین کے لئے (بھی) ہیں جو اپنے گھروں اوراپنے مال وجائیداد سے نکال دیئے گئے وہ اللہ کا فضل اوراس کی خوشنودی چاہیے اوراللہ اوراس کے رسول کی مدد کرتے ہیں وہی سچّے ہیں۔(سورۂ حشر، آیت 7،8 پارہ 28)

یہ قرآنِ مجید کی روشنی میں مملکت کے دستور اور حکومت کے اغراض ہیں جو ہم نے اختصار کے ساتھ تحریر کئے ہیں۔

اسلامی اور خود مختار ملک کے لئے گیارہ دفعات

1)......حکومت کا فرمانروا سُنّی ہونا چاہیے۔

2)......حُکمران کو مسلمانانِ اہلسنّت کی اکثریت منتخب کرے۔

3)......حُکمران دیندار، مُدبّر اہلِ اسلام کی ایک جماعت کو شوریٰ کے لئے منتخب کرے گا۔

4)......جماعت شوریٰ کی تجاویز حکمران کی منظوری کے بعد مکمل سمجھی جانی چاہیے۔

5)......جماعت شوریٰ حکمران کے ماتحت ہونی چاہیے۔

6)......حُکمران جماعت شوریٰ کے مشورے سے ایک وزیراعظم کا انتخاب کرے گی۔

7)......یہ وزیر داخلہ وخارجہ کے نظم ونگرانی کا کفیل ہوگا۔

8)......وزیرِ اعظم محکمہ جات سلطنت کے لئے جُدا جُدا وزیر نامزد کر کے حُکمران سے

منظوری حاصل کرے۔

9)......حکمران کی منظوری کے بعد یہ وُزراء اپنے اپنے محکمے کا کام ہاتھ میں لیں اور حسبِ ضرورت عہدیدار اور اس کے محکمے مقرّر کریں۔

10)......محصولات شرح کے مطابق فقہ کی رہنمائی سے مقرّر کئے جائیں۔

11)......غیر مسلم رعایات کو معاہدہ بنایا جائے اور حکومت انہیں امن پہنچائے اور اُن کے جان و مال کی حکومت خود ذمہّ دار ہے۔

معاملۂ سیاست

1)......اگر کوئی کافر تم کو زخمی کرکے یا کوئی عَضو قطع کرکے جب تم بدلہ لینے لگو اور فوراً کلمہ پڑھ لیا تو یہ سمجھ کر کہ اس نے جان بچانے کو کلمہ پڑھ لیا ہے ہرگز قتل مَت کرو اس سے اسلام کے حلم رحم اور حق پرستی کا اندازہ کرنا چاہیے۔

2)......کافر رعایا ہے بلا قصور کسی کو قتل کرنا سخت گناہ ہے یہ عمل جنت سے دور کر دیتا ہے۔

3)......خودکشی کرنے کی سخت ممانعت ہے۔

4)......مساجد میں یہی سزا جاری نہ دی جائے شاید بول براز خطا ہو۔

5)......مسلمان کسی کافر ذِمی کو قتل کر ڈالے وہ اس کے مقابلہ میں قتل کیا جائے گا۔

6)......اگر لشکرِ اسلام میں سے ادنیٰ درجہ کا آدمی بھی لشکرِ کُفّار کو امان دے دے تو تمام اعلیٰ و ادنیٰ مسلمانوں پر لازم ہو جائے گا کہ اس کے خلاف کاروائی نہیں کر سکتے البتہ اگر لڑنا ہی مصلحت ہو تو کفّار کو اطلاع دی جائے کہ ہم اپنے معاہدے کو واپس لیتے ہیں۔

7)......اگر کئی آدمی مل کر ایک آدمی کو قتل کریں تو سب قتل کئے جائیں گے اور سب گنہگار ہوں گے۔

8)......جو شخص فنِ طب میں مہارت نہ رکھتا ہو اور اس کی عملی بدتدبیری سے کوئی مرجائے

تو اس سے خون بہا لیا جائے گا۔

9)......اپنی جان و مال و دین و آبرو کی حفاظت کے لئے لڑنا دُرست ہے، اگر خود مارا گیا تو شہید ہوگا اگر مقابل مارا گیا اس شخص پر کوئی الزام نہیں۔

10)......لہو ولعب کے طور پر کنکریاں اُچھالنا غلّہ چلانا ممنوع ہے مبادا کسی کا دانت آنکھ ٹوٹ پھوٹ جائے۔

11)......اگر مجمع میں کوئی دھار والی چیز لے کر گزرنے کا اتفاق ہو تو دھار کی جانب چُھپا لینا چاہیے کسی کے لگ نہ جائے۔

12)......دھار والی چیز سے کسی کی طرف اشارہ کرنا گو مذاق ہی میں ہو ممنوع ہے، شاید ہاتھ سے چھوٹ کر لگ جائے۔

13)......ایسی وحشیانہ سزا جس کی برداشت نہ ہو سکے، جیسے دھوپ میں کھڑا کرکے تیل چھوڑنا، ہنٹروں سے بے درد ہو کر بے حد مارنا نہایت گناہ ہے۔

14)......تلوار، چاقو، بندوق کُھلا ہوا کسی کے ہاتھ میں مت دو یا تو بند کرکے دو یا زمین پر رکھ دو تاکہ دوسرا شخص اپنے ہاتھ سے اُٹھالے۔

15)......کسی آدمی یا جانور کو آگ سے جلانا جائز نہیں۔

16)......واجب القتل کو ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑنا کہ تڑپ تڑپ کر مرجائے درست نہیں۔

17)......پرندوں کے بچوں کو گھونسلوں سے نکال لانا کہ اس کے ماں باپ بے قرار ہوں دُرست نہیں۔

18)......جس کے جادو سے لوگوں کو ضرّر پہنچتا ہے اور وہ باز نہیں آتا، وہ گردن زنی کے لائق ہے۔

19)......جو مجرم زنا اقراری ہو حتّی الامکان اس کو ٹال دینا چاہیے، جب وہ برابر اپنے اقرار پر جَما رہے اور چار بار اقرار کرلے اس وقت سزا جاری کی جائے۔

20)......اگر ایسا اقراری مُجرم اثنائے سزا میں اپنے اقرار کو واپس لے تو چھوڑ دینا چاہیے۔

21)......اگر حاملہ عورت پر جرم زنا ثابت ہو، جب تک بچہ نہ جَن لے اور اگر کوئی دوسری دودھ پلانے والی نہ ہو تو جب تک دودھ نہ چھوٹ جائے اس وقت تک سنگسار نہ ہوگی۔

22)......سزا پانے کے بعد مجرم کو طعن و تشنیع و تحقیر کرنا بہت بُرا ہے۔

23)......جو زانی مستحق تازیانہ ہو اور بوجہ مرض کے سزا دینے میں مرجانے کا احتمال ہو تو صحت تک سزا موقوف رکھی جائے۔

24)......سزائیں دو قسم کی ہیں پہلی معین اور دوسری مفوض برائے حاکم۔ اوّل کو حد اور دوسری کو تعزیر کہتے ہیں۔

حدود میں شریف، رذیل، وجیہہ، ذلیل سب برابر ہیں اس میں کسی کی رعایت نہیں۔
تعزیر میں شریف وجیہہ آدمی سے چشم پوشی مناسب ہے اور صرف فہمائش کافی ہے۔

25)......جھوٹے مقدمے کی یا جس کا سچّا جھوٹا ہونا معلوم نہ ہو اس مقدمے کی پیروی یا کسی قسم کی اعانت کرنا ممنوع ہے۔

26)......جو شخص خود حکومت کی درخواست کرے وہ قابلِ حکومت نہیں ہے وہ خود غرض ہے اور جو اس سے بھاگتا ہو وہ زیادہ انصاف کرے گا، اس کو حکومت دینا سزاوار ہے۔

27)......حاکم کی اہانت کی اجازت نہیں۔

28)......حکّام کو بھی حکم ہے کہ وہ رعایا سے نرمی برتیں سختی نہ کریں۔

29)......حکّام کے پاس جا کر ان کی خوشامد سے ان کی ہاں میں ہاں ملانا، اُن کو ظلم کے طریقے بتلانا اس میں اعانت کرنا سخت مذموم ہے۔

30)......حق بات کہہ دینے میں حکّام سے مَت دَبُو۔

31)......حکّام کو مناسب نہیں کہ وہ رعایا کے عیوب و جرائم کا بلا ضرورت تجسّس کرے۔

32)......بلا قصور کسی کو گھور کر دیکھنا جس سے ڈر جائے جائز نہیں ہے۔

33)......حاکم کا ایسی جگہ بیٹھنا جہاں نہ حاجت مند جا سکے، نہ کسی ذریعہ سے اپنی فریاد وہاں پہنچا سکے جائز نہیں ہے۔

34)......غصّے کی حالت میں فیصلہ درست نہیں ہے کیونکہ غُصّے میں حواس دُرست نہیں رہتے۔

35)......رشوت لینا دینا سخت گناہ ہے گو ہدیہ کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔

36)......جھوٹا دعویٰ، جھوٹی قسم اور جھوٹی گواہی سخت گناہ ہے۔

اتفاق واتحاد کی بُنیاد

اتفاق واتحاد کی بنیاد ہمیشہ دین کی حدود پر قائم رہنے پر ہے دینی حدود کے قائم کرنے سے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا، دوسروں کے حقوق پامال نہ ہوں گے اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوں گے تو پھر نا اتفاقی، عداوت، لوٹ کھسوٹ اور قتلِ عام کی فضا پیدا نہیں ہوگی۔

حکمران اسلامی اصولوں کے مطابق فیصلے کریں

القرآن:......ترجمہ: پس اے نبی ﷺ! آپ کے رَبّ کی قسم، یہ کبھی مؤمن نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ فرما دیں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سرِ تسلیم خم کرلیں۔(سورۂ نساء، آیت 65)

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے باہمی تنازعات نیز ریاست میں وقوع پذیر ہونے والے جرائم کے سلسلے میں ایک مربوط نظامِ عدل یا نظامِ قضاء کی اشد ضرورت تھی، چنانچہ ابتداء میں سرکارِ اعظم ﷺ نے خود

منصبِ قضاء سنبھالا اور اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کی زبردست تائید ونصرت فرمائی۔ متذکرہ بالا آیتِ طیبہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اسلام سے قبل یا زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ تنازعات کا فیصلہ طے کرنے کے لئے فریقین کسی کو اپنا حکم (ثالث) بنا لیتے اور اس کے فیصلے کا انتظار کرتے۔ پھر اگر حکم کا فیصلہ فریقین میں سے کسی کے لئے قابل قبول نہ ہوتا تو وہ کسی اور کو حکم بناتا، اگر اُس کا فیصلہ بھی منظور نہ ہوتا تو کسی تیسرے شخص کو حکم بنایا جاتا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا۔ تا آنکہ فریقین کسی ایسے حکم کی تلاش وجستجو میں رہتے جس کا فیصلہ دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ یوں یہ طریقہ کار عہدِ رسالت تک جاری تھا۔

العجلانی کہتے ہیں:

شروع شروع میں لوگ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ پنچایت کے طریقہ سے کرتے تھے، جوانہوں نے زمانہ جاہلیت ہی سے سیکھ رکھا تھا اور پنچایت کا فیصلہ ماننے یا رد کرنے میں وہ آزاد تھے، یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اپنا مقدمہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، لیکن آپ ﷺ کے فیصلے سے راضی نہ ہوا۔ چنانچہ یہ آیتِ طیبہ نازل ہوئی:

(فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤمِنُوْنَ............الخ)

بعض تاریخی روایات بھی اس امر کی مصداق ہیں۔ ثعلبی نے ابنِ عباس سے، ابنِ ابی حاتم نے ابوالاسود سے مرسلاً، نیز بغوی نے کلبی کا قول بواسطہ ابوصالح ابنِ عباس نقل کیا ہے کہ ایک یہودی سے ایک منافق (بشر) کا کچھ جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے فیصلہ کرانے کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی منافق کو دعوت دی اور منافق نے سردارِ یہود کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کے لئے یہودی سے خواہش ظاہر کی۔ یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے پر اصرار کیا۔ مجبوراً منافق کو بھی نبی اکرم ﷺ

کی طرف آنا پڑا۔ غرض دونوں خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ جب دونوں (فریقین) اٹھ کر باہر چلے تو منافق یہودی کو چمٹ گیا اور کہا کہ فیصلہ کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو۔ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے پہنچے۔ یہودی نے بیان کیا کہ ہم دونوں اپنا معاملہ لے کر حضور ﷺ کے پاس گئے تھے اور آپ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ دیا، لیکن یہ اس فیصلے پر راضی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا کہ کیا ایسا ہی ہے؟ منافق نے کہا جی ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا ٹھہرو، میں ابھی (اندر جا کر واپس) آتا ہوں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور تلوار لئے ہوئے برآمد ہوئے، پھر فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو میں اس کا فیصلہ اسی طرح کرتا ہوں۔

(منیر العجلانی، عبقریۃ الاسلام فی عہد الحکم صفحہ 337)

نبی اکرم ﷺ کے منصبِ قضاء سنبھالنے اور تائیدِ الٰہی آجانے کے بعد زمانۂ جاہلیت کا وہ رواج ختم ہو گیا کہ ایک قاضی یا حکم کا فیصلہ منظور نہ ہو تو دوسرے اور تیسرے کے پاس جا کر مقدمہ پیش کیا جائے اور جب تک من مرضی کا فیصلہ نہ ہو حکم بنانے اور حکم نہ ماننے کا سلسلہ جاری رہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی ریاست کے باشندوں پر لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اپنے تنازعات کا فیصلہ بارگاہِ نبوی ﷺ سے کرائیں اور پھر جو فیصلہ اس عدالتِ عظمٰی سے صادر ہو اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے بامرِ الٰہی نظامِ حدود وتعزیرات کو جاری فرمایا اور اپنی زندگی میں حدود وتعزیرات کے متعلق کئی فیصلے صادر فرمائے۔ ان تمام فیصلوں کی مکمل تفصیلات اس مضمون میں نہیں سما سکتیں، لہٰذا سر دست ہم صرف چند ایسے فیصلوں کا ذکر کریں گے جن کا تعلق جرائم کی حدود سے ہے۔

مقدماتِ زنا

(۱)......مؤطا امام مالک میں زانی محصن کو عہدِ رسالت میں رجم کرنے کے سلسلے میں ایک روایت اس طرح ہے:

حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسلم قبیلے کا ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تو نے اس کا ذکر میرے علاوہ کسی اور سے بھی کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور اس واقعہ کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ مگر اُس شخص کو اس کے دل نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی کچھ کہا جس کا ذکر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کر چکا تھا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح مشورہ دیا، لیکن وہ شخص پھر بھی مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے تین بار رُخِ انور پھیر لیا، لیکن وہ وہی بات دہراتا رہا، تا آنکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اس کے گھر بھیجا تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کہیں کسی مرض یا جنون میں مبتلا تو نہیں۔ گھر والوں نے کہا کہ وہ تو بالکل صحت مند ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تو شادی شدہ ہے یا کنوارا؟ اس نے کہا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔

(المؤطا جلد دوم، صفحہ 165، کتاب الحدود باب فی الرجم)

(۲)......صحیح بخاری میں زانی محصن کو رجم کی سزا دیئے جانے کا ایک اور واقعہ یوں مذکور ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسلم قبیلے کا ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے اعترافِ زنا کر لیا تو آپ ﷺ نے پوچھا (ابک جنون؟) (کیا تجھے جنون کا مرض لاحق ہے؟) اس نے عرض کیا، نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر سوال کیا کیا ''تو شادی شدہ ہے؟'' اس نے کہا ہاں۔ جب یہ تمام مراحل طے ہو چکے تو آپ ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب اس پر پتھروں کی بارش ہوئی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا، مگر اس پر مسلسل پتھر برسائے گئے یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اس کے حق میں کلمۂ خیر کہا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ابن جریج اور یونس نے جو روایت امام زہری سے کی ہے اس میں نمازِ جنازہ کا ذکر نہیں کیا۔

(صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب الرجم بالمصلی)

جبکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

اس واقعہ سے دو تین دن بعد لوگ ایک جگہ جمع تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماعز بن مالک کے لئے بخشش کی دعا کرو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک جماعت پر تقسیم کر دیا جائے تو یہ اس کے لئے کافی ہوگی۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس وقت وہ جنت کی نہروں میں غوطہ زن ہے۔ (مسلم شریف)

(۳)......موطا امام مالک میں ایک زانیہ کو حد لگائے جانے کا واقعہ اس طرح مذکور ہے:

یعقوب بن زین بن طلحہ کی روایت ہے کہ ان کے والد زید بن طلحہ نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی

اور کہا کہ وہ زنا سے حاملہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچے کی ولادت کے بعد آنا، چنانچہ وضع حمل کے بعد وہ پھر آئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ، اسے دودھ پلاؤ اور مدتِ رضاعت پوری ہونے کے بعد آنا۔ تیسری بار وہ آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بچہ کسی کی کفالت میں دینا ضروری ہے۔ جب وہ بچے کو کسی کے سپرد کر کے آئی تو آپ ﷺ نے اسے رجم کا حکم دیا اور اسے رجم کیا گیا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

صحیح مسلم کی روایت میں مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ ہے:

یعنی نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اس کے لئے سینے تک گڑھا کھودا گیا۔ اس کے بعد اسے رجم کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تو حضرت عمر ؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ایک زانیہ کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اسے مدینہ کے ستر افراد پر تقسیم کر دیا جائے تو ان کی بخشش کے لئے کافی ہو۔ اس سے بہتر توبہ کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کے حوالے کر دیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الحدود)

یہ روایت متعدد طریق سے مرسلاً مروی ہے، محدثین کرام کے ہاں بھی مشہور ہے۔ ابوداؤد میں عمران بن حصین کی روایت میں ہے کہ یہ عورت جہینہ قبیلے سے تھی۔ صحیح مسلم کے مطابق یہ غامدیہ قبیلے سے تھی جو جہینہ قبیلے کی ایک شاخ کا نام ہے۔

نسائی کی روایت میں ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ خود بھی اس عورت کے رجم کئے جانے کے وقت موجود تھے، آپ ﷺ نے چنے کے دانے کے برابر ایک کنکر اس پر پھینکا، پھر فرمایا:

ارموا وایاکم و جھھا. اسے پتھر مارو، لیکن چہرے کو بچا کر۔

اس وقت حضور ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے۔ (نسائی شریف)

سنن ابی داؤد میں زکریا بن سلیم کی سند کے ساتھ روایت ہے، جس میں یہ زائد

عبارت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے اسے چنے کے دانے کے برابر کنکری ماری اور فرمایا: اسے پتھر مارو، لیکن چہرے سے احتراز کرنا۔ پھر جب اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا تو اسے نکال کر آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (سنن ابوداؤد)

(۴)......موطا امام مالک میں ایک یہودی جوڑے کو رجم کرنے کا واقعہ اس طرح ہے:

نافع عبداللہ بن عمر ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ چند یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ان کے ہاں ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تورات میں زنا کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کو ذلیل و رسوا کرتے اور کوڑے لگاتے ہیں۔ اُس وقت حضرت عبداللہ بن سلام ؓ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا: تم جھوٹ بول رہے ہو، تورات میں تو زنا کی سزا رجم ہے۔

یہودی تورات لائے اور متعلقہ حصّہ پڑھنا شروع کیا، لیکن ایک شخص نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم موجود تھی۔ اس کے بعد انہوں نے تسلیم کیا کہ زانی کی سزا رجم ہے۔ چنانچہ اس یہودی جوڑے کو آپ ﷺ کے حکم سے رجم کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ مرد اس عورت پر جھک کر اسے پتھروں سے بچانے کی کوشش کرتا تھا۔ امام مالک کا قول ہے: یَجۡنِیۡ عَلَیۡهَا یعنی مرد عورت پر جھکتا تھا تاکہ وہ پتھروں سے محفوظ رہے۔ (موطا امام محمد)

سنن ابوداؤد میں بھی یہ روایت قدرے اختلاف کے ساتھ یوں بیان ہوئی ہے، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ:

چند یہودی ایک زانی مرد اور عورت کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے دو سب سے بڑے عالم میرے پاس لاؤ''۔ چنانچہ وہ صوریا کے دو بیٹے حضور ﷺ کے پاس لائے۔ آپ ﷺ نے انہیں قسم دے کر پوچھا کہ تورات

میں زنا کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تورات میں یہ حکم ہے کہ اگر چار آدمی زنا کے وقوع پذیر ہونے کی شہادت اس طرح دیں کہ ہم نے مرد کا آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے تو دونوں کو رجم کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم انہیں رجم کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارا اقتدار ختم ہو گیا اور ہم قتل کو ناپسند کرنے لگے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے گواہ طلب کئے۔ چار گواہ آئے اور انہوں نے گواہی دی تو حضور ﷺ نے رجم کا حکم دیا۔

اور کہا جاتا ہے کہ مجاہد غیر مقبول الحدیث ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے اس جوڑے کو یہود کی شہادت کے بغیر رجم کیا تھا، یا تو وحی کی بناء پر، یا دو مسلمانوں کی گواہی کی بنا پر یا ان دونوں ملزموں کے اقرارِ جرم کی بناء پر۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الحدود)

(۵)......موطا امام مالک میں ایک زانی وزانیہ کو حد لگائے جانے کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی اپنا جھگڑا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لائے۔ ایک نے کہا: اے خدا کے رسول ﷺ! ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ دوسرے نے، جو زیادہ سمجھدار تھا، کہا: ہاں، یا رسول اللہ ﷺ! کتاب اللہ کے مطابق ہمارے درمیان فیصلہ فرمایئے اور مجھے اصل واقعہ پیش کرنے کی اجازت دیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ بات کرو۔ اس نے عرض کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں ملازم تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ اس شخص نے مجھے کہا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا۔ میں نے بطور فدیہ سو بکریاں اور ایک لونڈی پیش کی۔ لیکن میں نے اہلِ علم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تیرے بیٹے کو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ملے گی اور عورت کو رجم کیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم، میں تمہارے

درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ سنو! تیری لونڈی اور بکریاں تجھے واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہو گی۔ آپ ﷺ نے انیس اسلمی رضی اللہ عنہا کو دوسرے شخص کی بیوی کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اعترافِ جرم کرلے تو اسے رجم کیا جائے۔ چنانچہ اس کے اعتراف پر اسے رجم کیا گیا۔ (الموطا جلد دوم، صفحہ 167)

مقدمات سرقہ (چوری)

(۱)......اسلام میں سب سے پہلے جس شخص پر حدِ سرقہ جاری کی گئی وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف ہے، اور عورتوں میں جس پر حد جاری ہوئی وہ بنو مخزوم کی ایک عورت مرۃ بنت سفیان بن عبدالاسد ہے۔

قرطبی کہتے ہیں کہ اسلام میں مردوں میں سب سے پہلے جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ خیار ابن عدی بن نوفل بن عبد مناف تھا اور عورتوں میں سے سب سے پہلے جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ مرۃ بنت سفیان بن عبدالاسد تھیں، جن کا تعلق بنی مخزوم سے تھا۔

(قرطبی، جلد 6، صفحہ 16)

نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری کی سزا میں، جس کی قیمت تین درہم تھی، ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

(موطا امام مالک، جلد دوم صفحہ 174، کتاب الحدود)

(۲)......موطا امام مالک میں نفاذِ حد سرقہ کے سلسلے میں ایک نظیر اس طرح ملتی ہے:

عبداللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کے اس ارشاد کا علم ہوا کہ "جس نے ہجرت نہ کی وہ ہلاک ہوا" تو وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر مسجد میں سو گئے۔ اسی اثناء میں ایک چور مسجد میں

داخل ہوا اور اس نے چادر اپنے قبضہ میں لے لی۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑ لیا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ حضور اکرم ﷺ نے پورا واقعہ سننے کے بعد اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا، میں اسے معاف کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس آنے سے قبل تم نے اسے کیوں معاف نہ کر دیا؟''۔ (ابوداؤد و بخاری شریف)

(۳)...... بخاری و مسلم میں حدِ سرقہ کے سلسلے میں ایک روایت حسبِ ذیل ہے:

بنو مخزوم کی ایک خاتون کے معاملے نے سنگینی اختیار کر لی جس نے چوری کا ارتکاب کیا تھا۔ اس پر قریش پریشان ہوئے اور باہم مشورہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کو ان سے بڑی محبت تھی اور وہی اس طرح کی بات کرنے کی جرأت کر سکتے تھے۔ چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بات کی۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تو حدودِ الٰہیہ (عزوجل) کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟ یہ سن کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجئے۔ عشاء کے وقت نبی اکرم ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اس کی شان کے مطابق تعریف کی اور فرمایا:

''اما بعد! تم سے پہلے بہت سے لوگ محض اس وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں کہ جب ان میں سے کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا، لیکن جب یہی جرم کمزوروں سے سرزد ہوتا تو ان پر حد قائم کی جاتی۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا اور اس مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (صحیح بخاری، کتاب الحدود)

(۴)...... مصنف عبد الرزاق میں ایک غلام کو حد سرقہ لگائے جانے کا بیان اس طرح آیا ہے:

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک غلام لایا گیا جس نے چوری کی تھی۔ وہ چار مرتبہ لایا گیا اور آپ ﷺ نے ہر بار اسے چھوڑ دیا۔ جب اسے پانچویں بار اس جرم میں پیش کیا گیا تو اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ چھٹی بار پھر اس نے چوری کی تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا۔ ساتویں بار اس جرم کی پاداش میں اس کا دوسرا ہاتھ اور آٹھویں بار اس کا دوسرا پاؤں کاٹ دیا گیا۔ (مصنف عبد الرزاق، جلد اوّل صفحہ 188)

(۵)...... عادی چور کو سزا دیئے جانے کے بارے میں ایک روایت اس طرح آئی ہے:

نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل کر دو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اس نے صرف چوری کی ہے، تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ایک اور چوری کے جرم میں آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل کر دو۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے وضاحت کی کہ اس نے صرف چوری کی ہے، آپ ﷺ نے قطع ید کا حکم دیا۔ چنانچہ عادی چور ہونے کی بناء پر (مختلف اوقات میں) اس کے چاروں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ اس کے بعد اسی شخص نے اپنے منہ کے ذریعہ چوری کی اور پکڑا گیا۔ اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کا حکم دیا۔

(ابوداؤد، نسائی شریف)

(۶)...... دار قطنی میں ایک روایت بچے چرانے (اغوا کرنے) والے شخص پر حد جاری کرنے کے بارے میں یوں مذکور ہے:

مروان بن حکم جب مدینہ کا گورنر تھا تو اس کے پاس ایک شخص لایا گیا جو بچوں کو اغوا کر کے انہیں کسی دور دراز علاقہ میں فروخت کرتا تھا۔ مروان نے ممتاز فقہاء اور علماء

مدینہ سے مشورہ کیا تو حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جو بچے اغوا کر کے کسی دور دراز مقام پر لے جا کر فروخت کیا کرتا تھا، آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا۔ چنانچہ مروان نے بھی رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی روشنی میں اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا۔ (دار قطنی)

مقدماتِ شربِ خمر (مے نوشی)

(۱)...... عہدِ رسالت میں مے نوشوں کو حد لگائے جانے کے واقعات ملتے ہیں۔ ذیل میں چند واقعات بطورِ نظیر پیش کئے جاتے ہیں:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دو چھڑیوں سے اسے چالیس بار مارا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں ایسی ہی سزا دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کم از کم مقدار اسی 80 کوڑے ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کو قائم اور مقرر فرمایا۔ (صحیح مُسلم، کتاب الحدود)

(۲)...... ایک اور روایت نفاذِ حد شرب خمر کے سلسلے میں یوں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شرابی کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں چالیس کوڑے لگائے جاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مشورہ کیا کہ مے نوشی کی سزا کیا ہونی چاہیے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا حدود کی کم از کم مقدار کے برابر مقرر کیجئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسی 80 کوڑے مقرر کئے۔ (صحیح مُسلم، کتاب الحدود)

(۳)...... مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اسی 80 کوڑے حدِ شُربِ خمر جاری فرمائی۔

عَنِ الْحَسَنَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ ضَرَبَ فِی الْخَمرِ ثَمَانِیْنَ.

(مصنّف عبدالرزاق، کتاب الحدود)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے شراب نوشی پر اسی 80 کوڑے مارے۔

(۴)...... کتاب الآثار میں امام محمد رضی اللہ عنہ نے ایک شرابی کو حدِ شربِ خمر لگائے جانے کا واقعہ یوں لکھا ہے:

عبدالکریم بن ابی المخارق بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک مخمور شخص لایا گیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حکم دیا کہ اسے جوتوں سے ماریں۔ اُس وقت وہ چالیس تھے، ہر شخص نے اس مخمور کو دو دو جوتے مارے۔

(کتاب الآثار، صفحہ 137)

(۵)...... امام بخاری نے ایک روایت نفاذِ حد شربِ خمر سے متعلق یوں بیان کی ہے:

عبداللہ بن ابی ملیکہ نے عقبہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں نعیمان کے بیٹے کو نشہ کی حالت میں لایا گیا۔ یہ بات آپ ﷺ پر گراں گزری اور جو لوگ اُس وقت گھر میں تھے انہیں آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے ماریں۔ چنانچہ لوگوں نے اسے چھڑیوں اور جوتوں سے مارا، اور میں بھی مارنے والوں میں شامل تھا۔ (صحیح بخاری، کتاب الحدود)

(۶)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بخاری کی ایک روایت نفاذِ شربِ خمر کے بارے میں یوں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص

کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی اسے اپنے ہاتھ سے مارتا تھا، کوئی اپنے جوتے سے اور کوئی کپڑے سے اسے مارتا تھا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو کسی نے کہا: اللہ نے تجھے ذلیل کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کہو اور اس پر شیطان کی مدد نہ کرو۔

(صحیح بخاری، کتاب الحدود)

(۷)...... مے خوار کو کوڑے لگانے کا ایک واقعہ صحیح بخاری میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کے پاس لایا گیا جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا۔ اس نے ایک روز شراب پی، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ جب کوڑے لگائے گئے تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ لعنت! اسے کتنی دفعہ لایا گیا۔ مگر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، میں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الحدود)

نبی اکرم ﷺ خود تو مدینہ طیبہ میں مقدمات کی سماعت فرماتے اور دیگر اطراف واکنافِ ریاست اسلامی میں آپ ﷺ نے قاضی مقرر فرمائے، جو ابتدائی سماعت کیا کرتے اور ضرورت محسوس ہوتی تو مقدمات کو مدینہ کی عدالتِ عظمیٰ میں منتقل کر دیتے۔

﴿عہدِ رسالت ﷺ کے قاضی﴾

مدینہ منورہ میں بھی آپ ﷺ نے بعض صحابہ کرام علیہم الرضوان کو قاضی و حکم مقرر فرمایا۔ ذیل میں چند معروف قاضیوں کے اسماء گرامی پیش کئے جاتے ہیں:

1) حضرت علی رضی اللہ عنہ، 2) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، 3) حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ، 4) حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، 5) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ، 6) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، 7) حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، 8) حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ، 9) حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ، 10) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، 11) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، 12) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، 13) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، 14) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ وہ نبی رحمت ﷺ جو رحمۃ للعالمین بن کر آئے تھے، کسی پر ظلم ہوتا دیکھتے تو ربِّ ذوالجلال کی شانِ جلالت کا مظہر بن جاتے اور کسی ایسے شخص کے ساتھ نرمی نہ برتتے جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا ہوتا۔ آپ ﷺ کی یہ سختی مظلوم کے حق میں رحمت ثابت ہوتی کہ اسے انصاف مل جاتا۔ تاریخ نے نبی اکرم ﷺ جیسا حکیم، مہربان، عادل اور انصاف پسند حکم اور قاضی کہیں نہیں دیکھا ہوگا۔

سرکارِ اعظم ﷺ کا یہ ایمان افروز طریقۂ حدود مُسلم دنیا کے حکمرانوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ اگر اس زمین کو فساد سے بچانا ہے تو حدود اللہ کا نفاذ کرنا ضروری ہے مگر افسوس کہ اس وقت دنیا میں کہیں بھی مکمل اسلامی طریقہ رائج نہیں جس کی وجہ سے مسلمان پستی کا شکار ہیں لہٰذا مُسلم حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اس نظام کو رائج کر کے اپنی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں۔

﴿حاکم کی اہم ذمہ داری جہاد کی تیاری﴾

مسلمان حکمران کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری جہاد کی تیاری بھی ہے کیونکہ مومن کا دل جب تک جذبۂ جہاد سے سرشار رہے گا وہ کبھی پستی کی

طرف نہیں جائے گا۔

جہاد کے معنیٰ لُغت میں کسی کام کے لئے اپنی کوشش اور توانائی خرچ کرنے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں کلمۂ حق بلند کرنے اور دشمن کی مدافعت کرنے میں جان مال، زبان اور قلم کی پوری طاقت خرچ کرنے کو جہاد کہا جاتا ہے۔

قرآنِ مجید اور جہاد

القرآن:......**ترجمہ:** اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ (کُفر کی سرکشی کا) کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی پرستش ہونے لگے، پھر اگر وہ اپنی سرکشی سے باز آجائیں تو اُن کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کی جائے البتہ ظلم کریں تو اس کی سزا ضرور دی جائے۔

(سورۂ بقرہ، آیت **192**)

القرآن:......**ترجمہ:** خدا کی راہ میں لڑنا تم پر فرض کیا گیا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بُری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو کیونکہ حقیقت کا علم اللہ کو ہے تمہیں نہیں ہے۔

القرآن:......**ترجمہ:** اللہ کی راہ میں دشمنوں سے یوں قتال کرو جیسا کہ اس قتال کا حق ہے۔ (سورۂ حج، آیت **78**)

احادیث اور جہاد

حدیث شریف:...... امام بخاری اور امام مُسلم رحمہم اللہ حضرت انس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ امام المجاہدین ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہیں کوئی آدمی ایسا نہیں ملے گا جو جنت میں داخل ہونے کے بعد اس دنیا میں پھر واپس جانے کی خواہش رکھتا ہو سوائے شہید کے کہ وہ جنت کی نعمتوں اور لذتوں سے ہمکنار ہونے کے بعد بھی اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ اسے دنیا میں دسوں بار لوٹا دیا جائے تا کہ بار بار شہادت کی نعمت

سے سرفراز ہونے کا اِسے موقع نہ ملے اس کے دل میں یہ آرزو شہادت کے اس صلے کی وجہ سے پیدا ہوگی جو جنت میں اسے ہر طرف نظر آئے گا۔

حدیث شریف:......امام ترمذی علیہ الرحمہ نے حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ امام المجاہدین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہے ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہا ہو، دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہایا جائے۔

حدیث شریف:......امام بخاری علیہ الرحمہ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ امام المجاہدین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں سو درجے مقررّ فرمائے ہیں ہر درجے کا دوسرے درجے سے اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا فاصلہ زمین اور آسمان کے درمیان ہے۔

مجاہد کی فضیلت

حدیث شریف:......حضرت ابوسعید خُدری ؓ کا بیان ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا اللہ تعالیٰ ضامن ہے یا تو اُسے اپنی رحمت و مغفرت کی جانب اُٹھائیگا یا اسے اجر اور غنیمت کے ساتھ لوٹائے گا اور مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال اس شخص کے طرح ہے جو ہمیشہ روزے رکھتا ہو اور برابر قیام کرتا ہو اور بیچ میں نہ تو قیام توڑے اور نہ روزہ حتیٰ کہ مجاہد لوٹ آئے۔

(سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث **530**، صفحہ **162**، مطبوعہ فرید بک لاہور)

مجاہد کی مدد کرنا

حدیث شریف:...... زید بن خالد کا بیان ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا جس نے غازی فی سبیل اللہ کے لئے سامان مہیا کیا تو اس کے لئے بھی غازی جتنا ثواب ہے

اور غازی کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

(سنن ابن ماجہ، جلد دوم، حدیث 535، صفحہ 163، مطبوعہ فرید بک لاہور)

راہِ خدا میں مال خرچ کرنا

حدیث شریف:...... سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا آدمی جو دینار خرچ کرتا ہے اس میں سب سے بہتر دینار وہ ہے جو انسان یا تو اپنے عیال پر خرچ کرے یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑے پر خرچ کرے، یا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانے والوں پر خرچ کرے۔

(سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث 536، صفحہ 163، مطبوعہ فرید بک لاہور)

جہاد چھوڑنے کی بُرائی

حدیث شریف:...... سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا جس نے نہ تو خود جہاد کیا نہ مجاہد کے لئے سامان مہیا کیا اور نہ مجاہد کی غیر موجودگی میں اس کے گھر والوں کے ساتھ کوئی بھلائی کی تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت سے پہلے ہی قیامت جیسی مصیبت میں مُبتلا فرما دے گا۔ (سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث 538، صفحہ 164، مطبوعہ فرید بک لاہور)

مورچہ بندی کرتے ہوئے وصال

حدیث شریف:...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مورچہ بندی کرتے ہوئے مرجائے تو اس نے دنیا میں جو عمل کیا ہے اس کا ثواب اسے ہمیشہ ملتا رہے گا اور جنت میں اسے رزق دیا جائے گا فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا قیامت کے روز ہر خوف اور گھبراہٹ سے بچا رہے گا۔

(سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث 543، صفحہ 165 مطبوعہ فرید بک لاہور)

راہِ خدا میں حفاظت

حدیث شریف:...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک رات حفاظت کرنا گھر میں ایک ہزار سال کے قیام اور روزوں سے افضل ہے۔ سال تین سو اور ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور دن گویا ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ (سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث 546، صفحہ 166، مطبوعہ فرید بک لاہور)

جہاد کے لئے بُلایا جائے تو فوراً نکل آؤ

حدیث شریف:...... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جب تمہیں جہاد کے لئے بُلایا جائے تو فوراً نکل آیا کرو۔

(سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث 549، صفحہ 167، مطبوعہ فرید بک لاہور)

بحری جہاد کی فضیلت

حدیث شریف:...... حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا دریا میں جہاد کرنا خشکی میں دس غزوات کے برابر ہے اور دریا میں کسی کا سر گھومنا ایسا ہے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لوٹ رہا ہو۔

(سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث 553، صفحہ 168، مطبوعہ فرید بک لاہور)

حدیث شریف:...... سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا بحری جہاد کا ایک شہید خشکی کے دو شہیدوں کے برابر ہے جس کا سر گھوم رہا ہو وہ ایسا ہی ہے جیسے خشکی کے اندر اپنے خون میں لوٹ رہا ہو ایک موج سے دوسری موج تک جانے والا ایسا ہی ہے جیسے خدا تعالیٰ کی راہ میں پوری دنیا کا سفر کرنے والا، اللہ تعالیٰ نے جانوں کے قبض کرنے پر عزرائیل علیہ السلام کو متعین کیا ہے مگر جو شخص دریا میں شہید ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی جان خود اپنے دستِ قدرت سے نکالتا ہے خشکی پر شہید ہونے والے کے قرض کے علاوہ تمام گناہ معاف ہوتے ہیں لیکن دریا میں شہید ہونے والے کے سب گناہ معاف ہوتے ہیں حتیٰ کہ قرض بھی۔

(سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث 554، صفحہ 168، مطبوعہ فرید بک لاہور)

جہاد کے لئے گھوڑا پال کر اُسے کھلانا

حدیث شریف:.......سرکارِ اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گھوڑا پال کر اسے چارہ اور دانہ خود کھلایا تو اسے ہر دانہ کے عوض ایک نیکی ملے گی۔

(سنن ابنِ ماجہ، جلد دوم، حدیث 568، صفحہ 172، مطبوعہ فرید بک لاہور)

جہاد کی پانچ اقسام ہیں

1)...... جہاد بالعلم　　2)...... جہاد بالعمل　　3)...... جہاد بالمال

4)...... جہاد بالنفس　　5)...... جہاد بالقتال

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1)...... جہاد بالعلم

اپنے علم سے جہاد کرنا ہے جس کا حکم قرآن مجید دیتا ہے:

ترجمہ: پس ان منکروں کا کہنا نہ مانیئے بلکہ قرآن ہی سے ان کا مقابلہ پوری قوّت کے ساتھ کیجئے۔ (سورۂ فرقان)

یعنی کہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہیں جس علم سے نوازا ہے اس سے آراستہ ہوکر مُنکروں کے سامنے علمِ جہاد بلند کرو۔ علم کے ذریعے اس جہاد کو جہادِ اکبر یعنی بڑے جہاد سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی مدد سے گمراہیوں اور ذلتوں میں گری ہوئی انسانیت کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور ہدایت کے اُجالوں کی طرف لے جاتا ہے۔

2)...... جہاد بالعمل

جہاد کا دوسرا درجہ وہ ہے جس کا تعلق ہماری زندگی سے ہے اس جہاد میں باتوں کی بجائے عمل کر کے دکھانا مقصود ہے جہاد بالعمل میں اللہ تعالیٰ کے احکامات، امام

المجاہدین ﷺ کی اطاعت وغلامی کو اپنا شعار بنا کر زندگی گزارنا یہ جہاد بالعمل ہے۔

3)...... جہاد بالمال

جہاد کا تیسرا درجہ وہ ہے جس کا تعلق قربانی سے ہے جس مال کو ہم سینے سے لگا کر رکھتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا جائے جن کی مثالیں ہمیں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور سے ملتی ہیں مثلاً حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنا تن، مَن، دَھن اور گھر بار سب کچھ اسلام کے لئے قربان کر دیا وہ جانتے تھے کہ اس بارگاہ میں لُٹانا خسارے کو سودا نہیں بلکہ نفع کا سودا ہے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب امام المجاہدین ﷺ کی رضا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ بھی جہاد کی قسم ہے۔

4)...... جہاد بالنفس

جہاد کا چوتھا درجہ جہاد بالنفس ہے یہ وہ جہاد ہے جو انسانی زندگی میں ایسا انقلاب برپا کرسکتا ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں چمکنے لگتے ہیں اور اسے ہر وقت امام المجاہدین ﷺ کے جلوے نظر آتے ہیں کیونکہ اُس نے نفس کو مار کر اس سے جہاد کر کے شیطان کو شکست دی ہے یہی وہ شیطان ہے جو انسان کو عبادات وریاضات سے روکتا ہے تو اس شیطان سے لڑنے کے لئے بہترین ہتھیار نفس کے خلاف جہاد ہے اور اس کا بدلہ جنت ہے۔

5)...... جہاد بالقتال

جہاد کا پانچواں درجہ جہاد بالقتال ہے یہ وہ جہاد ہے جو فرض ہوتے ہی مسلمان ہر چیز کو چھوڑ کر تلوار لئے اپنے رَبّ کریم جَلَّ جَلَالُہٗ کی راہ میں اپنی جان کو قربان کرنے کے لئے نکل جاتا ہے اور اُسے اس وقت تک تسکین نہیں ہوتی جب تک اُس کی جان اپنے

رب ﷻ کے حضور نثار نہ ہو جائے۔

مزاح حاکم کے وقار کے خلاف ہے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں مزاح نہ ہوتا تو میں اپنی حیات ہی میں ان کو خلیفہ بنا دیتا مزاح سے وقار جاتا رہتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خوش مزاج بہت تھے اکثر ہنستے بولتے رہتے تھے اور یوں سب ہی حضرات صحابہ خوش مزاج تھے۔

حاکم قانون سے بالاتر نہیں

اسلام سے قبل ظلم وستم کی جن زنجیروں نے انسانیت کو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑ رکھا تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ قانون سب کے لئے برابر نہیں تھا بڑوں کے لئے اور قانون تھا اور چھوٹوں کے لئے اور بادشاہ تو ہر قانون سے آزاد تھے وہ تو کسی قانون کے پابند ہی نہیں تھے۔ ان پر کسی قانون کا نفاذ تو کجا وہ تو خود قانون کے خالق تھے۔ قبائلی نظام تو خیر ویسے ہی جہالت و بربریت پر مبنی ہوتے ہیں اپنے آپ کو متمدن کہنے والے بھی ظلم وستم کے پیکر بنے بیٹھے تھے۔ روم ہو یا ایران ہو ہندوستان ہو یا دنیا کا کوئی بھی خطہ، عوام بادشاہوں اور سرداروں کے خود ساختہ اور ظالمانہ قانون کے ہاتھوں پس رہی تھی۔ بادشاہ کس طرح ظلم کرتے تھے؟ وہ خود کسی بھی قانون سے کس طرح بالاتر تھے؟ اور ان کی ذات کسی طرح قانون کا منبع تھی؟ دنیا کے کسی بھی خطے پر نظر ڈالنے سے ان سب سوالات کے تشفی بخش جوابات مل جاتے ہیں۔ ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ ایران کے حالات بیان کرتے ہوئے قصۃ الحضارہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''بادشاہ کو یہ اختیار تھا کہ جس کے بارے میں چاہتا مقدمہ چلائے بغیر کوئی جرم ثابت کیے بغیر اس کے لئے موت کی سزا کا حکم سنا دیتا بلکہ بادشاہ کی ماں اور اس کی بڑی ملکہ کو بھی یہ اختیارات حاصل تھے کہ وہ جس کو چاہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ کسی عام شہری بلکہ کسی امیر و رئیس کو بھی یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ بادشاہ یا اس کے خاندان کے اس ظالمانہ فعل پر صدائے احتجاج ہی بلند کر سکے۔ اگر کسی باپ کے سامنے اس کے بے گناہ بچے کو بادشاہ اپنے تیر سے گھائل کر دیتا اور اس نوجوان کی لاش خاک وخون میں تڑپ رہی ہوتی تو باپ اس دل دوز منظر کو دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا اور وہ اظہار تاسف کی بجائے اس وقت اپنے بادشاہ کی تعریف کرتا کہ ہمارے جہاں پناہ کا نشانہ بہت اچھا ہے............

ایک باپ نے اپنے چار لڑکے میدان جنگ میں بھیج دیئے۔ ان میں سے ایک بھائی نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے پانچویں بھائی کو اجازت دی جائے کہ وہ بوڑھے والدین کی خدمت کرے اور امور زراعت کی نگرانی کرے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس پانچویں بھائی کو دو حصوں میں کاٹ دیا جائے۔ جس راستہ سے لشکر نے گزرنا ہے اس کے ایک طرف اس کا اوپر والا دھڑ اور دوسری طرف اس کا نیچے والا دھڑ رکھ دیا جائے تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ اس ظالمانہ اور سنگ دلانہ کرتوت پر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس پر اپنی ناپسندیدگی کا ہی اظہار کر سکیں۔ فوجی بینڈ اپنی دھنیں بجاتا رہا۔ عام لوگ بادشاہ سلامت زندہ باد کے نعرے لگاتے رہے اور لشکر اس نوجوان کی کٹی ہوئی لاش کے دو ٹکڑوں کے درمیان سے گزرتا گیا۔ مملکت میں بادشاہ کے ارادے اور لشکر کی قوت کے بغیر کوئی قانون نہ تھا۔'' (ضیاء النبی، جلد اول، صفحہ 68)

برہمن کے لئے اور قانون تھے، شودر کے اور، پادری کے لئے اور قانون تھے عام عیسائی کے لئے اور دنیا اسی ظلم وستم اور جور و جبر کے آہنی شکنجوں میں جکڑی بلبلا رہی تھی جب مدینہ منورہ سے پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ صدائے دلنواز بلند ہوئی۔

"لوگو! تم سے پہلی قومیں اسی لئے تباہ و برباد ہوگئیں کہ ان میں سے جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے معاف کر دیا جاتا اور اگر کوئی چھوٹا آدمی جرم کرتا تو سزا پاتا۔ خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے۔"

یہ صرف ایک اعلان نہیں ایک دعویٰ نہیں تھا بلکہ ایک حقیقت کا اظہار تھا۔ پیغمبرِ اسلام نے زمانے کو یہ شعور دیا کہ بادشاہ کسی قانون سے برتر نہیں۔ وہ بھی اسی طرح قانون کا پابند ہے جیسے ایک عام شہری، اور عملی طور پر اس چیز کو ثابت بھی کیا۔ نبی کریم ﷺ مرض وصال میں ہیں۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوئی دُرہ مارا تھا تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری آبرو حاضر ہے وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے اور اگر میں نے کسی سے اس کا مال چھینا ہو تو یہ میرا مال حاضر ہے وہ اس سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ اگر کسی نے مجھ سے بدلہ لیا تو میں اس سے ناراض ہو جاؤں گا، یہ میری شان نہیں ہے۔"

دنیا یہ چیز سمجھنے سے قاصر تھی کہ حکمران بھی کسی قانون کے پابند ہیں۔ لوگ بادشاہوں کو کس طرح قانون سے بالاتر سمجھتے تھے۔ مشہور زمانہ فلسفی ارسطو کی زبان سے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ ارسطو لکھتا ہے:

"قانون تمام اہل ملک کے لئے یکساں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا مساویانہ انطباق صرف ان افراد پر ہوگا جو نسب اور قابلیت کے لحاظ سے مساوی ہیں۔ رہا حکمران طبقہ، تو ان لوگوں کے لئے قانون نہیں بنایا جاتا بلکہ یہ لوگ بذاتِ خود قانون ہیں اور یہ کھلا مذاق ہے کہ ان اکابر کو دستور کی پابندی پر مجبور کیا جائے۔"

پھر ارسطو اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے ایک حکایت بیان کرتا ہے:

"خرگوشوں کا ایک جلسہ عام ہوا۔ جس میں ایک قرارداد منظور کی گئی کہ تمام حیوانات میں مساوات کا ایک قاعدہ ہونا چاہیے جب شیروں نے یہ ریزولیشن سنا تو انہوں نے کہا پہلے ہمارے جیسے طاقتور پنجے اور تیز دانت لاؤ پھر ہمارے ساتھ مساوات کا مطالبہ کرو۔"

دنیا بادشاہوں کے اسی ظلم کا شکار تھی جب اسلام نے زمانہ کو یہ شعور دیا کہ بادشاہ بھی عام انسانوں کی طرح قانون کے پابند ہیں یہاں تک کہ جب غزوۂ بدر میں صفیں درست کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت سواد ؓ کے پیٹ پر نیزے سے ایک ہلکی سی ضرب لگا کر فرمایا اے سواد! (ؓ) برابر ہو جاؤ۔ تو حضرت سواد ؓ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مجھے چوٹ لگی ہے اور میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں تو آپ ﷺ نے اسے اپنی گستاخی پر محمول نہیں کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک ادنیٰ آدمی ہو اور میں لشکر کا سپہ سالار ہوں، تم ہوتے کون ہو مجھ سے بدلہ لینے والے۔ بلکہ آپ ﷺ نے اپنے شکم مبارک سے قمیض اٹھا دی اور فرمایا آ مجھ سے بدلہ لے لے۔ یہ الگ بات کہ حضرت سواد ؓ بدلہ نہیں لینا چاہتے تھے بلکہ صرف سرکارِ اعظم ﷺ کے بدن اقدس کو بوسہ دینا چاہتے تھے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے تو زمانے پر واضح کر دیا کہ آپ اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود اپنے آپ کو بھی قانون سے بالاتر نہیں سمجھتے۔

یہ اسلام کی انہیں تعلیمات کا ثمرہ تھا کہ خلفاء و حکمران خود عدالت میں پیش ہوتے تھے اور قاضی حق کے مطابق فیصلہ کرتا تھا۔ اور خلیفہ کا منصب یا جاہ و جلال حق فیصلہ کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔ حضرت علی ؓ ایک زرہ کے مقدمہ میں عدالت میں پیش ہوئے۔ آپ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی۔ تو آپ نے فرمایا، یہ زرہ میری ہے اس نے انکار کر دیا۔ بات عدالت تک گئی۔ قاضی نے حضرت علی ؓ

سے عرض کیا آپ کوئی گواہ لائیں آپ نے فرمایا میرا بیٹا حسن اور میرا غلام قنبر گواہ ہیں۔

قاضی نے کہا کہ حسن رضی اللہ عنہ آپ کے بیٹے ہیں اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں ہوتی اور قنبر آپ کا غلام ہے اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں قبول نہیں ہوتی کوئی اور گواہ لائیں آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس یہی گواہ تھے، قاضی نے کہا آپ گواہ نہیں لا سکے میں زرہ کا فیصلہ یہودی کے حق میں کرتا ہوں۔ اس وقت یہودی چیخ اٹھا کہنے لگا، بخدا زرہ آپ کی ہی ہے میں اسلام کے نظام عدل کو پرکھنا چاہتا تھا۔ جو مذہب اس قدر عدل وانصاف کا روادار ہے وہ سچا مذہب ہے یہ کہہ کر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

ہماری تاریخ ایسی بے شمار شہادتوں سے لبریز ہے۔ بڑی بڑی معزز ہستیوں اور عام افراد میں کوئی فرق نہ کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو ایک عام مصری کے مقابلہ میں سزا دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شاہ غسان جبلہ بن ایہم اور ایک عام شہری میں کوئی فرق نہ کیا۔ اس تناظر میں تاریخ اسلام کا ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے جسے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اسرار ورموز'' میں درج کیا ہے اسی کا خلاصہ یہ ہے کہ سلطان مراد نے مسجد بنانے کے لئے اقلیم خجند سے ایک ماہر معمار بلوایا۔ اس نے مسجد بنائی لیکن بادشاہ کو وہ مسجد پسند نہ آئی اس نے غصّے میں آ کے معمار کے ہاتھ کاٹ دیئے۔ معمار قاضی کی عدالت میں پیش ہوا اور کہنے لگا کہ قرآن وسنت کے مطابق ہمارا فیصلہ کیجئے۔ قاضی نے وارنٹ جاری کئے، بادشاہ کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا۔ قرآن کی ہیبت وجلال سے بادشاہ کا رنگ فق ہو گیا اور وہ خطا کاروں کی طرح قاضی کی عدالت میں پیش ہوا۔ عجیب منظر تھا ایک طرف فریادی کھڑا تھا اور دوسری طرف جاہ وجلال کا مالک بادشاہ۔ بادشاہ نے

اعترافِ جرم کر لیا قاضی نے کہا اب تم سے قصاص لیا جائے گا تا کہ زندگی کو استحکام نصیب ہوتا رہے۔ قاضی کہنے لگا:

عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خون شہ رنگین تر از معمار نیست

مسلم غلام آزاد سے کمتر نہیں ہوتا اور بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگین نہیں ہے۔

بادشاہ نے جب یہ حکم سنا تو اس نے اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکالا تا کہ اسے کاٹ دیا جائے۔

چوں مراد ایں آیہ محکم شنید
دست خویش از آستیں بیروں کشید

یہ منظر دیکھ کر معمار کو یارائے ضبط نہ رہا اس نے فوراً قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۔ (نحل:90)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

کہنے لگا میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو بخش دیا میں نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے صدقہ میں اس کو معاف کر دیا۔

اقبال اس واقعہ کو اس نتیجہ پر ختم کرتے ہیں:

یافت مورے بر سلیمانے ظفر
سطوت آئین پیغمبر نگر

ہادی عالم ﷺ کے آئین کے جاہ وجلال کا اندازہ لگاؤ کہ ایک چیونٹی نے سلیمان علیہ السلام پر کامیابی پالی۔

پیش قرآں بندہ و مولا یکے است

بو ریا مسند دیبا یکے است

قرآن کے سامنے آقا و غلام ایک ہیں۔ تخت نشیں اور بوریا نشیں برابر ہیں۔

یہ ہے سیاسی تناظر میں سلامتی کے اس پیغام کی ایک جھلک جو اسلام نے دنیا کو عطا کی ہے۔

﴿حکمرانوں کو اسلامی قوانین بدلنے کا حق نہیں﴾

سیاسی حوالے سے اسلام نے پوری کائنات میں جو سلامتی بانٹی ہے اس کا یہ پہلو بھی بڑا قابل توجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق قانون ساز صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور رسل عظام علیہم السلام صرف اسی لئے واجب الاتباع ہیں کہ وہ مرضیاتِ الٰہی کے مطابق اس کے احکامات کی تشریح کرتے ہیں۔ یعنی رسول، خدا کے مقابلہ میں قانون سازی کا حق نہیں رکھتے بلکہ خدا کی مرضی کے مطابق ہی قانون سازی کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

قانون ساز کون ہے؟ اس سوال کے جواب، فکر انسانی ہمیشہ بھٹکی رہی۔ عربی کا ایک مقولہ ہے **الجاھل امأمفرط اومُفَرِّط** کہ جاہل یا افراط کرتا ہے یا تفریط جاہلیت قدیمہ میں قانون سازی کا حق بادشاہ کو حاصل تھا۔ بادشاہ جو کہتا تھا وہ قانون تھا۔ عوام کو قانون سازی سے کوئی تعلق نہیں تھا اور جاہلیت جدیدہ میں قانون سازی کا مکمل اختیار عوام کو دے دیا گیا ہے اور اسے جمہوریت کی روح سمجھا جاتا ہے۔ دراصل یہ دونوں نظریات غلط ہیں انسان کبھی بھی حقیقت مطلقہ کا ادراک نہیں کرسکتا۔ اگر انسان حقیقت کو خود پاسکتا تو ایک ہی مسئلہ پر بڑے بڑے دانشوروں اور مفکرین کی آراء مختلف نہ ہوتیں بلکہ کم از کم تمام انسان کسی ایک نقطہ پر اکٹھے ہوجاتے۔ مثلاً ریاست کا نظام چلانے کے لئے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے اس کے جواب میں

بے شمار آراء ہیں اور ہر ایک کی پشت پر بڑے بڑے دانشور اور مفکرین بیٹھے ہیں۔ جمہوریت، صدارتی نظام، پارلیمانی نظام، بادشاہی یا کوئی اور طریق کار اتنے نظام ہیں کہ انسانی عقل سرگرداں ہوجاتی ہے۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

ایسا کون سا نظامِ معیشت ہے جو فلاح انسانی کا ضامن ہوگا کوئی کہتا ہے اشتراکی نظام، کوئی کہتا ہے نہیں سرمایہ داری نظام، کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ انسانی آراء کا اختلاف کیا اس چیز کا بین ثبوت نہیں کہ انسان کوئی قطعی حقیقت پانے سے عاجز ہے جب وہ حقیقت مطلقہ کے ادراک سے ہی عاجز ہے تو بھلا اسے قانون سازی کا حق کیسے دیا جاسکتا ہے؟ جو خود منزل سے نا آشنا ہے وہ دوسروں کی منزل کا تعین کیسے کرسکتا ہے؟

بلکہ تاریخ ہمارے سامنے ایک اور دلچسپ حقیقت بھی رکھتی ہے کہ کسی ملک کے باشندے اگر کبھی کسی بات پر اکٹھے ہو بھی جائیں تو تب بھی یہ اسی چیز کے درست ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔ جیسے ایک اندھا ایک پہاڑ کو نہیں دیکھ سکتا اور کروڑوں نابینے بھی اکٹھے ہوکر کسی پہاڑ کو نہیں دیکھ سکتے۔ ایسے ہی ایک انسان بھی حقیقت مطلقہ کے ادراک سے قاصر ہے اور پوری انسانیت بھی حقیقت مطلقہ کے ادراک سے ایسے ہی قاصر ہے۔ پوری دنیا کے انسانوں کا کسی ایک مسئلہ پر اکٹھا ہونا تو ممکن نہیں البتہ ایک چھوٹے پیمانے پر اس کی ایک مثال امریکا کی تاریخ سے دی جاسکتی ہے:

یہ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے کی بات ہے کہ امریکا میں الیکشن قریب آئے۔ لوگ شراب کی تباہ کاریوں سے تنگ آچکے تھے۔ لوگوں نے کہا ہم ووٹ اس کو دیں گے جو شراب پر پابندی لگائے گا۔ ان کے لیڈروں نے کہا ہم شراب پر پابندی لگادیں گے۔ جنہوں نے یہ وعدہ زیادہ بھرپور انداز سے کیا۔ وہ الیکشن جیت گئے۔

انہوں نے حسبِ وعدہ شراب پر پابندی عائد کردی۔ پابندی لگنے کے بعد ظاہر ہے شراب سرعام بکنا بند ہوگئی تو شراب خفیہ طریقہ سے فروخت ہونے لگی تو ظاہر ہے شراب سرعام بک رہی ہوتو اس کا ایک معیار بھی ہوتا ہے تو وہاں مقابلہ کا رجحان بھی ہوتا ہے اس لئے ناقص شراب خفیہ طریقوں سے فروخت ہونے لگی ۔ یہ لوگوں کے لئے مزید نقصان دہ ثابت ہوئی جب اگلے الیکشن قریب آئے تو لوگوں نے کہا ہم ووٹ اس کو دیں گے جو شراب سے پابندی اٹھوائے گا۔ لیڈروں نے کہا ہم یہ پابندی ختم کروائیں گے اور شراب سرعام فروخت ہوگی۔ اور عملی طور پر ایسا ہی ہوا۔

اگر قانون سازی کا اختیار مکمل طور پر عوام کو دے دیا جائے تو قانون انہیں بنیادوں پر بنیں گے اور انہیں بنیادوں پر ختم ہوں گے۔ اس لئے اسلام انسانیت کو یہ فکر دیتا ہے کہ قانون سازی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اس کے رسول اس کی مرضی کے مطابق قوانین بناتے ہیں چونکہ ان کا ذریعہ علم، وحی، ایک قطعی ذریعہ علم ہے۔ اس لئے رسول بھی واجب الاتباع ہوتے ہیں۔ اور عوام قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے اپنے حالات کے مطابق قوانین بنانے کا حق رکھتے ہیں لیکن وہ کوئی بھی ایسا قانون نہیں بنا سکتے جو قرآن وسنت کے منافی ہوگا۔

مغربی جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں یہ بنیادی فرق ہمیں کبھی بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ مغربی تصور جمہوریت میں قانون کا سرچشمہ عوام ہیں اور قانون بنانے کا کلی اختیار عوام کو حاصل ہے۔ جب کہ اسلامی جمہوریت سے مراد اس کا مشاورتی مزاج ہے اور موروثی بادشاہت کی نفی ہے۔

اسے ہم ایک مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ عوام یہ چاہتے ہیں کہ معاشرہ میں سود خوری کو جائز قرار دے دیا جائے اب مغربی تصور جمہوریت کے تحت عوام کی رائے قانون بن جائے گی اور سود خوری کو جائز قرار دے دیا جائے گا۔ لیکن اسلامی

جمہوریت اس کی قطعاً اجازت نہیں دے گی۔ اگر پورے ملک کا ایک ایک باشندہ بھی یہ چاہے کہ سود خوری کو جائز قرار دے دیا جائے تب بھی ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اسلام میں قانون سازی کا حقیقی حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور عوام کا یہ نظریہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے منافی ہے اس لئے اسے رد کردیا جائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام کے نظام حکومت میں ایک مشاورتی اور شورائی روح موجود ہے کہ خلیفہ عوام کے مشورہ اور ان کی رائے سے بنایا جائے گا اور رائے لینے کا طریقہ ہر زمانہ میں مختلف بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن عوام صرف اسی مسئلہ میں رائے دیں گے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح حکم نہیں ہوگا۔

اسی نقطہ میں فلاح انسانیت کا منشور پوشیدہ ہے۔ کیونکہ انسانی فکر حقیقت مطلقہ کے ادراک سے کلیۃً قاصر ہے جو چیز ایک کے نزدیک حسن ہے وہ دوسرے کے نزدیک قبح ہے۔

ہم نے جس شخص کو خوابوں میں تراشا محسن
لوگ کہتے ہیں اسی شخص کو ہرجائی تک

(محسن)

جب انسان کسی چیز کے حسن وقبح پر متفق نہیں ہوسکتا تو اسے قانون سازی کا اختیار دینا انسانیت پر ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی نقطہ کی مزید وضاحت سائنس اور مذہب کے تناظر میں ہوسکتی ہے چونکہ مذہبی تعلیمات کا منبع وحی ہے۔ اس لئے مذہبی حقائق ہر دور میں یکساں رہے لیکن سائنس کا منبع عقل انسانی ہے۔ اس لئے سائنسی افکار ہر دور میں بدلتے رہے۔ جب سائنسی نظریات غیر یقینی ہیں۔ حالانکہ سائنسدان گروہ انسانی کے بڑے بڑے دماغ ہوتے ہیں تو انسان کے بنائے ہوئے قانون یقینی کیسے ہوسکتے ہیں۔ اسی لئے اسلام قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو

دیتا ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ ز وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ (القصص:70)

ترجمہ: اور وہی ہے اللہ اور اس کے سوا کوئی خدا ہے ہی نہیں، دنیا اور آخرت میں سبھی خوبیاں اس کی ہیں اور اسی کا حکم ہے اور تمہیں اسی کی جانب لوٹایا جائے گا۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ○ (انعام:57)

ترجمہ: اختیار فیصلہ صرف اللہ ہی کے پاس ہے وہ حق بات واضح کرتا ہے اور سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ط اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وقف وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ○ (انعام:62)

ترجمہ: پھر انہیں ان کے سچے مالک کی طرف لوٹا دیا جائے گا یاد رکھو سارا اختیار اسی کا ہے اور وہ بہت ہی جلد حساب لینے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ چونکہ وحی الٰہی سے قانون سازی کرتے ہیں اور دراصل وہ اللہ کے ہی قانون کو بیان کرتے ہیں اس لئے رسول ﷺ بھی واجب الاتباع ہوتے ہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (النساء:65)

ترجمہ: آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تب اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ سمجھیں۔ پھر آپ جو بھی فیصلہ فرمائیں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے ایسے مانیں جیسے ماننے کا حق ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ چونکہ مرضیات الٰہی کے مطابق ہی فیصلہ کرتے ہیں اس لئے

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (النساء:80)

ترجمہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

خدا اور رسول ﷺ کے سوا کسی کا بھی فیصلہ اس وقت تک قابل قبول ہوگا جب تک وہ خدا اور رسول خدا ﷺ کے احکامات کے مطابق ہوگا ورنہ اسے رد کر دیا جائے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا. (النساء:59)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں سے صاحب اختیار ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں تمہارا تنازع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی صورت سب سے بہتر ہے اور اسی کا انجام سب سے اچھا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہر بات واجب الاتباع ہوگی، ان کے علاوہ کسی کی بھی بات اسی وقت تک مانی جائے گی جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی بات کے مطابق ہوگی۔

قانون سازی کا حق بادشاہوں کو نہیں، وزراء کو نہیں، عوام کو نہیں صرف خدا اور رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ عوام کو یا پارلیمنٹ کو صرف یہ حق حاصل ہے کہ وہ حالات زمانہ کے مطابق ان کی تشریحات کر سکیں۔ اصل قانون ساز عوام نہیں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اس فکری تبدیلی نے زمانے کو ماضی میں بھی سلامتی دی ہے اور زمانہ جب تک اسلام کے عطا کردہ اس نظریہ کو اپنا نہیں لے گا۔ ظلم وستم کا ایسے ہی دور دورہ رہے گا۔

غریبوں کا استحصال ایسے ہی ہوتا رہے گا۔ عفت وعصمت کے نازک آ بگینے ایسے ہی چور چور ہوتے رہیں گے۔ اور دنیا یا شاہی جبر کے شکنجے میں جکڑی رہے گی یا جمہوریت کے نام پر اس کے حقوق پامال ہوتے رہیں گے۔

حکومتی عہدوں کے لئے سب کا استحقاق برابر ہے

دنیا ہمیشہ سے مختلف روپ میں شاہی جبر کا شکار رہی۔ بڑوں نے اپنی برتری کا بھرم قائم رکھنے کے لئے زمانے پر کئی خودساختہ نظریات مسلط کئے۔ بادشاہت کو کسی ایک خاندان کی میراث ثابت کیا۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ فلاں خاندان تو پیدا ہی شاہی کے لئے ہوا ہے اور فلاں اس کی خدمت کے لئے اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قابلیت کی بنا پر کوئی شخص کسی بھی عہدہ پر فائز ہوسکتا ہے اور اہل ایمان کا فرض ہے کہ عہدے انہیں کے سپرد کیے جائیں جو ان کے اہل ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًاۢ بَصِیْرًا. (النساء:58)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کردو جو ان کے اہل ہیں۔ جب تم لوگوں میں فیصلے کرو تو عدل کی بنیاد پر کیا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بڑی ہی خوب نصیحت کرتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

مناصب کو قانونی طور پر خاندان سے نکال کر استحقاق اور صلاحیت کے ساتھ مشروط کرنا یہ دنیا پر اسلام کا احسان عظیم ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع جو تعلیمات اسلامی کا

نچوڑ اور فلاح انسانی کا منشور ہے، میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب اللہ تعالیٰ فاسمعوا لہ واطیعوا.

''اگر تم پر کوئی سیاہ فام (حبشی) چپٹی ناک والا غلام امیر بنا دیا جائے اور وہ تمہیں کتاب اللہ کے مطابق عمل کرائے تو اس کے احکامات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔''

معاشرہ کے جن طبقوں کو انسانیت نے رد کردیا جنہیں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، جن کے بارے میں یہ نظریہ مسلم ہوگیا تھا کہ انہیں صرف دوسروں کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو کولہو کے بیل کی طرح مشقت بھی کرتے تھے اور حقارت کی نظروں سے دیکھے بھی جاتے تھے، جن کے صرف فرائض ہی فرائض تھے حق کوئی نہیں تھا، انہیں کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کا شرف دینا، انہیں عزت وافتخار کے اس مقام پر فائز کرنا یہ صرف اسلام کا کارنامہ ہے اور ان پر اسلام کا احسان عظیم ہے۔ ورنہ پوری دنیا میں کہیں کوئی خاندان تخت شاہی پر متمکن تھا اور کہیں کوئی خاندان۔

اگر ایک لکڑ ہارے کا بیٹا امریکہ کا صدر بن جاتا ہے تو انہیں یہ بات کبھی نہ بھولنی چاہیے کہ لکڑ ہارے کا بیٹا صدر بن سکتا ہے۔ یہ شعور زمانے کو اسلام نے دیا ہے ورنہ کسی بادشاہ کا بیٹا ہی بادشاہ بنتا اور لکڑ ہارے کا بیٹا لکڑ ہارا ہی بنتا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر سالم، خلیفہ کا غلام زندہ ہوتا تو میں اسے حاکم بنا دیتا۔ (مقدمہ ابن خلدون جلد اول صفحہ 459)

ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

اگر یہ کہا جائے کہ اسلام میں خلافت کی ایک شرط قریشی ہونا ہے علماء اسلام نے

متعدد احادیث مبارکہ سے اس پر استدلال کیا ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لایزال ھذاالامر فی قریش مابقی من الناس اثنان.

''یہ چیز (خلافت) ہمیشہ قریش میں رہے گی خواہ لوگوں میں سے صرف دو شخص رہ جائیں۔'' (صحیح مسلم، کتاب الامارہ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لایزال ھذا الدین عزیز امنیعا الی اثنی عشر خلیفۃ فقال کلمۃ متمنیھا الناس فقلت لابی ماقال قال کلم من قریش.

''بارہ خلیفہ پورے ہونے تک دین غالب رہے گا پھر آپ نے کوئی بات فرمائی جسے لوگوں نے مجھے سننے نہیں دیا۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا حضور ﷺ نے کیا فرمایا، انہوں نے جواب دیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔''

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ ﷺ یکون من بعدی اثنا عشر امیر اثم تکلم بشئ لم افھمہ فسالت الذی یلینی فقال قال کلھم من قریش ھذا حدیث حسن صحیح . (جامع ترمذی، جلد دوم صفحہ 46)

''رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے بعد بارہ امیر ہوں گے۔ پھر آپ نے کچھ فرمایا جسے میں سمجھ نہیں سکا۔ میں نے اپنے قریب والے شخص سے اس کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا کہ آپ نے فرمایا وہ سب قریش میں سے ہوں گے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

خلیفہ کا قریش میں سے ہونا جمہور کا موقف ہے علامہ نووی اسی تناظر میں لکھتے ہیں:

ان احادیث میں یہ واضح دلیل ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ مخصوص ہے۔ قاضی عیاض نے کہا کہ تمام فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ خلیفہ ہونے کے لئے قریشی ہونا شرط ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث سے یوم سقیفہ میں انصار پر حجت قائم کی تھی اور کسی شخص نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اس مسئلہ کو علماء نے مسائل اجماع سے شمار کیا ہے اور اس کے خلاف علماء سلف سے کوئی قول اور فعل منقول نہیں ہے نظام معتزلی، خوارج اور اہل بدعت نے یہ کہا ہے کہ غیر قریشی کو بھی خلیفہ بنانا جائز ہے ان لوگوں کا یہ قول باطل ہے اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔ (شرح صحیح مُسلم)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''**دوام العیش فی الائمۃ من القریش**'' میں اس مسئلہ پر بہت مفصل بحث فرمائی اور خلافت کو قریش کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

البتہ اہلسنّت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کے لئے ضرور ''قرشیت'' شرط ہے اس بارے میں رسول کریم ﷺ سے متواتر حدیثیں ہیں۔ اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہلسنّت کا اجماع ہے اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی، کتب عقائد و کتب حدیث و کتب فقہ اس سے مالا مال ہیں۔ بادشاہ غیر قریشی کو سلطان، امام، امیر والی ملک کہیں گے۔ مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفاً اسی کا مرادف ہے۔ ہر بادشاہ قریشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوا اس کے جو ساتوں شرط خلافت اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکوریت، قدرت، قرشیت سب کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا روائے فرماکا اعظم ہو۔

کیا خلیفہ کا قریشی ہونا موروثی نظام حکومت کے خاتمہ کے منافی ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ جب اسلام میں خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط ہے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے موروثی نظام حکومت کو ختم کیا اور صلاحیت کی بناء پر ہر کسی کو آگے آنے کا موقع دیا۔ اور اسلام نے زمانے کو جو سیاسی سلامتی دی ہے اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہر کسی کو حکمرانی کا حق دیا۔ جتنی کسی میں صلاحیت ہو اتنا آگے آئے اور حکومت وسلطنت میں اپنا حصّہ پائے۔

اس سوال کے جواب میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خلافت کو قریش کے ساتھ مخصوص کرنا ایک وقتی چیز تھی۔ خلافت کا اصل سبب صلاحیت ہی تھا نہ کہ کسی خاندان میں سے ہونا چونکہ اس وقت قریش ہی صلاحیت اور استعداد میں سب سے بڑھ کر تھے اسی لئے وہ خلافت کے مستحق تھے اور یہ حکم قیامت تک جاری رہے گا۔ امام احمد رضا خان بریلوی نے ''**دوام العیش فی الائمة من القریش**'' میں ان کی سختی سے تردید کی ہے۔ فلسفہ تاریخ کے بانی علامہ ابن خلدون کا نظریہ بھی یہی تھا۔ علامہ موصوف اسی تناظر میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس زمانہ میں قریش کو جو قوت عصبیت نصیب تھی ایسی عصبیت دنیا میں کسی کو بھی میسر نہ تھی اور نہ آج تک میسر ہوئی کیونکہ اسلامی دعوت کا چشمہ انہیں سے پھوٹا۔ پھر دنیا کے ہر گوشہ میں جو نکلا۔ عربوں کی تمام عصبی طاقتیں قریش کی عصبی طاقتوں میں سما گئی تھیں۔ اس لئے عرب تمام قوموں پر چھا گئے۔ لیکن آج قریش عصبی طاقت سے محروم ہیں۔ اس لئے آج دنیائے اسلام میں ہر ملک میں اسی کو امام تسلیم کرلیا جائے جس کی قوت عصبیہ کا اس ملک میں غلبہ ہوا۔'' (مقدمہ ابن خلدون، جلد اول صفحہ **462**)

لیکن یہ جواب جمہور کے خلاف ہے جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔

اس سوال کے جواب میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ امام قریش میں سے ہوں گے یہ ایک خبر ہے حکم نہیں ہے۔ یعنی آپ ﷺ نے آنے

والے حالات کی خبر دی ہے کہ ایسا ہوگا کہ اپنی صلاحیت کی بنا پر قریش ہی خلیفہ بنیں گے۔ یہ حکم نہیں تھا کہ تم ایسا کرو۔ یہ جواب بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ خبر تھی تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اس سے قریش کی خلافت پر استدلال کرنا غیر متعلقہ سی بات محسوس ہوتی ہے اور حدیث مبارکہ کے الفاظ بھی اس کی تائید نہیں کررہے مثلاً یہ حدیث پاک گزر چکی ہے کہ اگر قریش میں سے دو آدمی بھی باقی ہوں تو خلیفہ ان میں سے ہی ہوگا۔ ظاہر ہے ہمارے اس معاشرہ میں ایسے آدمی کا خلیفہ بننا عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ اس لئے محسوس یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث پاک میں حکم ہی ہے صرف خبر نہیں ہے۔

اس سوال کا ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے اور یہ سب سے مناسب جواب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خلافت سے مراد کسی مخصوص ملک کی حکمرانی نہیں بلکہ خلافت شرعیہ ہے اور خلافت شرعیہ سے مراد یہ ہے کہ پورے عالم اسلام کی ایک خلافت یا حکومت ہو اور اس کو چلانے والا ایک خلیفہ ہو جو قریش میں سے ہو۔

اس سے ایک چیز تو واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے زمانے کو یہ سبق دیا کہ کسی بھی ملک کی حکمرانی کسی خاندان سے مخصوص نہیں ہے۔ بالفرض مصر کا سربراہ کوئی بھی ہوسکتا ہے۔ پاکستان کا سربراہ کسی بھی خاندان کا ہوسکتا ہے۔ کیا زمانے پر اسلام کا یہ کم احسان ہے کہ ہر شخص کو حکمرانی کا حق دیا، لوگ جسے چاہیں اپنا والی مقرر کرلیں۔

جہاں تک پوری دنیا کے مسلمانوں کے خلیفہ ہونے کا تعلق ہے ممکن ہے یہ حضور اکرم ﷺ کے خاندان کو اعزاز بخشا گیا ہو جیسے نماز سب عربی میں پڑھتے ہیں یہ آپ کی زبان کو اعزاز بخشا گیا **قس علی ھذا** اور کیا خلافت کی تاریخ اس پر بیّن ثبوت نہیں کہ خلافت کا حق قریش نے ہی ادا کیا اور اسلامی تعلیمات کے مطابق آئندہ بھی جب خلافت کا صحیح حق ادا کیا جائے گا تو وہ بھی قریش ہی کریں گے۔

اس سب کے باوجود کسی بھی ملک کا کوئی بھی سربراہ ہوسکتا ہے اور کوئی بھی فرد حکومت کے کسی بھی عہدے پر فائز ہوسکتا ہے یہ فکر اسلام نے ہی زمانے کو دی ہے ورنہ کہیں کسی خاندان کا راج تھا اور کہیں کسی خاندان کا۔ اور یاد رہے خلافت شرعیہ کے لئے بھی صرف قریشی ہونا کافی نہیں بلکہ خلافت کی سات شرطیں ہیں جن کا ذکر گزر چکا ہے وہ شرائط پائی جائیں گی تو خلافت شرعیہ متحقق ہوگی اس کے علاوہ ہر کوئی کسی بھی ملک کا حکمران بھی ہوسکتا ہے اور حکومت کے کسی بھی عہدہ پر فائز بھی ہوسکتا ہے۔ اقبال اسلام کی اسی خوبی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیر رہ نشیں

نظریاتی ریاست کا تصور

اسلام سے قبل حکومت حاصل کرنے کا مقصد صرف مفادات کا حصول اور جاہ و منصب کی خواہش کی تکمیل تھا۔ یعنی حکومت حاصل کرنے سے کسی اعلیٰ مقصد کا حصول مقصود نہیں تھا۔ بس تعیّشات کا حاصل کرنا اور اپنی برتری کو ثابت کرنا تھا جب اسلام نے زمانے کو یہ اعلیٰ تصور دیا اس وقت پوری دنیا میں جتنی بھی حکومتیں قائم تھیں ان کے پیش نظر کوئی اعلیٰ مقصد نہ تھا۔ انہیں صرف اپنا تحفظ مقصود تھا اور اپنے مفادات کا حصول ان کا مطمع نظر تھا۔ دوسرے الفاظ میں ان کے نزدیک حکومت کسی مقصد کا ذریعہ نہیں تھی بلکہ بذات خود مقصود تھی۔ اسلام نے زمانے پر یہ واضح کیا کہ حکومت بذات خود مقصود نہیں بلکہ ایک مقصود کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اگر حکومت سے وہ مقصود حاصل ہوگیا تو حکومت بامقصد ہے ورنہ بے مقصد۔

قرآن کریم حکومت کے فرائض کو یوں بیان فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (النور: 55-56)

ترجمہ: ”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں زمین میں اپنا نائب بنائے گا جس طرح ان سے پہلوں کو بنایا تھا اور اس نے جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس سے ان کے لئے مستقل عزت کا مقام عطا کرے گا اور ان کے خوف کی جگہ انہیں یقیناً امن عطا فرمائے گا۔ وہ میری ہی عبادت کرتے رہیں گے اور کسی کو میرا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو وہی لوگ فاسق ہیں اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کریم ﷺ کی پیروی کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

ان آیات طیبات سے واضح ہے کہ اسلام میں حکومت کا مقصد نظام عبادت قائم کرنا یعنی نماز کی ادائیگی، نظام زکوٰۃ کو نافذ کرنا اور رسول کریم ﷺ کی پیروی کرنا ہے۔ دراصل یہ چیزیں انسان میں تین چیزیں پیدا کرتی ہیں اور وہ تین چیزیں ایسی ہیں جو انسانیت کو امن و سلامتی اور فوز و فلاح دینے کے لئے کافی ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلی چیز نماز کو قائم کرنا ہے، یہ بندے کا تعلق اپنے رب سے استوار کرواتی ہے اور جس معاشرہ میں بندے کا تعلق خدا سے قائم ہوجاتا ہے وہاں کے جملہ فسادات اور سارے بگاڑ اپنے آپ ختم ہوجاتے ہیں۔

دوسری چیز نظام زکوٰۃ کو نافذ کرنا ہے یہ حقوق العباد کی ادائیگی کا مرکزی ذریعہ ہے جس معاشرے میں خدمت خلق کا جذبہ اپنی ساری حقیقتوں کے ساتھ پیدا ہوجائے

وہاں امن وآشتی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

اور تیسری چیز رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا ہے ۔ یہ دراصل معاملات حیات کو چلانے اور مسائل زندگی کو حل کرنے میں نور نبوت سے مستفیض ہونا ہے چونکہ عقل انسانی حقیقت مطلقہ کے ادراک سے عاجز ہے اس لئے انسان وحی الٰہی پر انحصار کرتا ہے اپنی عقل پر نہیں۔

گویا ان آیات میں انتہائی مختصر الفاظ میں اور انتہائی جامعیت سے حکومت کی ذمہ داریاں بھی بیان کی گئیں اور حکومت کا مقصد بھی بتا دیا گیا ایک اور مقام پر اسی مفہوم کو مزید تفصیل سے بڑے واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج:41-40)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی یقیناً اس کی مدد کرتا ہے یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم انہیں زمین میں اختیار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور تمام معاملات کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

یہ آیاتِ طیبات جہاں حکومت کی غرض وغایت اور حکمرانوں کے فرائض کو بیان کر رہی ہیں وہاں اس حقیقت کو بھی بڑے واضح الفاظ میں بیان کر رہی ہیں کہ اس دنیا میں نصرت خداوندی کے مستحق کون لوگ ہوتے ہیں، وہ لوگ جب انہیں حکومت مل جائے تو وہ خدا کے باغی، مخلوق پر ظلم کرنے والے، نیکی کو مٹانے والے اور برائیوں کو فروغ دینے والے نہیں بن جاتے بلکہ وہ نماز اور زکوٰۃ کے نظام کو نافذ کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں یہی لوگ نصرت خداوندی کے مستحق

ٹھہرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر خلیفہ کے فرائض بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان لکم علی الوالی من ذالکم ان یا خذکم بحقوق اللہ علیکم وان یاخذ کم لبعضکم من بعض وان یھدیکم متٰی ھی اقوام ماستطاع۔

عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ والی پر لازم ہے کہ وہ تم سے اللہ کے حقوق ادا کروائے اور بندوں کے حقوق بھی ادا کروائے اور حسب استطاعت تمہیں سیدھے راستے پر چلائے حکومت خیر کے پھیلانے ،شر کے مٹانے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کروانے کے لئے قائم ہوتی ہے جس دن دنیا نے اسلام کے اس پیغام کو سمجھ لیا اس دن دنیا سے ظلم وستم ختم ہو جائے گا اور دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن جائے گی۔

مُسلم حکمران دیگر مُلکوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دیں ❁

سرکارِ اعظم ﷺ بحیثیت حاکم ورسول دیگر ملکوں کے بادشاہوں اور حکمرانوں کو اسلام کی دعوت بھی دیتے تھے اور باقاعدہ سفیر بنا کر خطوط کے ذریعے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت بھی دیتے تھے لہٰذا مُسلم حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ دوسرے ممالک کے حکمرانوں سے صرف ملاقات اور دعوت پر اکتفا نہ کریں بلکہ اسلام لانے کی دعوت بھی دیں تا کہ اس سے غیر مسلموں تک ہمارا پیغام اور ہماری دعوت بھی پہنچے اور اسلام کی خوشبو ہر سوء پھیلتی رہے۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کے پاس تشریف لا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔تم میری طرف سے (میرا دین تمام انسانوں تک) پہنچاؤ اور جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے اختلاف کیا تم

میرے سامنے ایسا اختلاف نہ کرنا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ ؑ نے اپنے حواریوں کو ایسی چیز کی دعوت دی تھی جس کی میں تم کو دعوت دینے لگا ہوں (یعنی ان کو دعوت دینے کے لئے دُور اور نزدیک بھیجنا چاہتے تھے) چنانچہ ان میں سے جس کی تشکیل دور کی ہوئی اس نے اس کو ناگوار سمجھا (اور جن کی تشکیل نزدیک کی ہوئی وہ تیار ہوگئے) حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ نے اللہ ﷻ سے اس کی شکایت کی۔ چنانچہ اگلے دن ان میں سے ہر آدمی اس قوم کی زبان میں بات کر رہا تھا۔ جس قوم کی طرف اس کی تشکیل ہوئی تھی اس پر عیسیٰ ؑ نے ان حواریوں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے لئے یہ کام ضروری قرار دے دیا ہے۔ اس لئے اب تم اسے ضرور کرو۔ حضور ﷺ کے صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ کی طرف سے (آپ کا دین تمام انسانوں تک) پہنچائیں گے۔ آپ ہمیں جہاں چاہیں بھیج دیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حُذافہ ؓ کو کسریٰ کے پاس بھیجا اور سلیط بن عمرو ؓ کو یمامہ کے نواب ہوزہ بن علی کے پاس بھیجا اور علاء بن حضرمی ؓ کو ہجر کے راجہ منذر بن ساوی کے پاس بھیجا اور عمرو بن العاص ؓ کو عُمان کے دو بادشاہوں جیفر اور عباد کے پاس بھیجا جو جلندی کے بیٹے تھے اور دِحیہ کلبی ؓ کو قیصر کے پاس بھیجا اور شجاع بن وہب اسدی ؓ کو منذر بن حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس بھیجا اور عمرو بن اُمیہ ضمری ؓ کو نجاشی کے پاس بھیجا۔ علاء بن حضرمی ؓ کے علاوہ باقی تمام حضرات حضور ﷺ کے انتقال سے پہلے واپس آگئے۔ علاء بن حضرمی حضور ﷺ کے انتقال کے وقت بحرین میں تھے۔ (طبرانی)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اصحاب سیر نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ''مہاجر بن ابی اُمیہ ؓ کو حارث بن عبد کلال کے پاس بھیجا اور جریر ؓ کو ذِی الکلاع کے پاس بھیجا اور سائب ؓ کو مُسیلمہ کے پاس بھیجا اور حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس کے پاس بھیجا۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے انتقال سے پہلے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی اور ہر سرکش متکبر بادشاہ کو خطوط بھیجے جن میں ان کو اللہ ﷻ کی طرف دعوت دی اور یہ وہ نجاشی نہیں ہے جن کی آپ نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔ (مسلم شریف)

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے انتقال سے پہلے کسریٰ اور قیصر اور ہر ظالم اور سرکش بادشاہ کو (دعوت کے) خطوط بھیجے تھے۔ (احمد، طبرانی)

حضور ﷺ کا شاہِ حبشہ حضرت نجاشی کے نام مکتوبِ گرامی

حضور ﷺ نے حضرت عمرو بن اُمیہ ضمری ؓ کے ہاتھ حضرت جعفر بن ابی طالب ؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نجاشی کے نام یہ خط بھیجا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی اَصحم شاہِ حبشہ کے نام۔ سلامتی ہو تم پر، میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جو بادشاہ ہے اور پاک ذات ہے اور امان دینے والا اور پناہ میں لینے والا ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ اللہ کی (پیدا کی ہوئی) روح ہیں اور اللہ کا وہ کلمہ ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے مریم بتول پاک صاف اور پاک دامن کی طرف اِلقاء فرمایا تھا چنانچہ وہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ اُمید سے ہوگئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی (خاص) روح اور اپنی (یعنی اپنے فرشتے کی) پُھونک سے پیدا فرمایا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو اپنی خاص قدرت اور پُھونک سے پیدا فرمایا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو اپنی خاص قدرت اور پُھونک سے پیدا فرمایا اور میں تم کو اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی دعوت دیتا ہوں۔

اور اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم پابندی سے اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور میری اتباع کرو اور مجھ پر اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں نے تمہارے پاس اپنے چچازاد بھائی حضرت جعفر ؓ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا ہے۔ جب یہ تمہارے پاس پہنچیں تو ان کو اپنا مہمان بنا لینا اور تکبر اور غرور چھوڑ دینا کیونکہ میں تمہیں اور تمہارے لشکر کو اللہ عزوجل کی دعوت دیتا ہوں میں تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا چکا ہوں اور تمہارے بھلے کی بات کہہ چکا ہوں۔ تم میری نصیحت مان لو۔ اور اُس پر سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔

☆☆☆☆☆

نجاشی نے حضور ﷺ کو جواب میں یہ خط لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت حضرت محمد رسول اللہ نجاشی اَصحم بن اَبجر کی طرف سے:

اے اللہ کے نبی ﷺ! اللہ کی طرف سے آپ پر سلامتی ہو اور رحمت ہو اور برکتیں ہوں، اس ذات کے علاوہ کوئی معبود نہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی یارسول اللہ ﷺ! آپ کا گرامی نامہ مجھے ملا۔ اس میں آپ نے حضرت عیسیٰ ؑ کی کچھ صفات کا تذکرہ فرمایا ہے، آسمان اور زمین کے ربّ کی قسم! آپ نے حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں جو کچھ ذکر فرمایا ہے، عیسیٰ ؑ کا مرتبہ اس سے ذرّہ بھر بھی زیادہ نہیں ہے جو پیغام آپ ﷺ نے ہمارے پاس بھیجا ہے ہم نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ ہم نے آپ کے چچازاد بھائی اور ان کے ساتھیوں کی اچھی طرح میزبانی کی ہے۔ اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسُول ہیں

اور آپ کی تصدیق کی گئی ہے، میں آپ ﷺ سے بیعت کرتا ہوں اور میں آپ کے چچا زاد بھائی سے بیعت ہو چکا ہوں اور میں ان کے ہاتھوں مسلمان ہو چکا ہوں اور اللہ رَبّ العالمین کا فرمانبردار بن چکا ہوں۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! میں آپ کے پاس (اپنے بیٹے) اریحا بن اَصحم بن اَبجر کو بھیج رہا ہوں کیونکہ مجھے صرف اپنی جان پر ہی پورا اختیار ہے یارسول اللہ ﷺ! اگر آپ فرمادیں تو میں آپ کی خدمت میں خود حاضر ہونے کو بھی تیار ہوں۔ کیونکہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بالکل حق ہے۔

حضور ﷺ کا شاہِ فارس کسریٰ کے نام گرامی نامہ

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کے ہاتھ اپنا خط روانہ فرمایا اور ان صحابی کو حضور ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ وہ یہ خط بحرین کے گورنر کو دے دیں۔ چنانچہ بحرین کے گورنر نے وہ خط لے کر کسریٰ تک پہنچا دیا، جب کسریٰ نے وہ خط پڑھا تو اس نے خط کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابن مُسیّب نے فرمایا تھا کہ یہ سُن کر حضور ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی کہ ان کے بھی ایسے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔ (بخاری شریف)

حضرت عبدالرحمٰن بن عبد قاری ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک دن بیان فرمانے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثناء بیان فرمائی اور کلمۂ شہادت پڑھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا، امّا بعد! میں تم میں سے کچھ لوگوں کو عجم کے بادشاہوں کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں اور جیسے بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ ؑ کے سامنے اختلاف کیا تھا تم میرے سامنے کسی چیز کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کریں گے۔ آپ ہمیں جو چاہیں حُکم دیں اور جہاں چاہیں بھیج دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت

شُجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو کِسریٰ کی طرف روانہ کیا۔ (حضرت شجاع کی آمد پر) کِسریٰ نے اپنے محل کے سجانے کا حکم دیا اس کے بعد اس فارس کے بڑے بڑے سرداروں کو جمع کر کے حضرت شجاع بن وَہب رضی اللہ عنہ کو بلوایا جب حضرت شجاع رضی اللہ عنہ محل میں داخل ہو گئے تو کِسریٰ نے کسی درباری کو حکم دیا کہ ان سے خط لے لے۔ حضرت شجاع بن وَہب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ میں تو حضور ﷺ کے حکم کے مطابق اپنے ہاتھ سے خود تمہیں خط دوں گا تو کِسریٰ نے کہا اچھا پھر قریب آ جاؤ چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر کِسریٰ کو وہ خط دیا پھر اس نے حِیرَہ کے رہنے والے اپنے ایک مُنشی کو بلایا۔ اس نے حضور ﷺ کا خط پڑھنا شروع کیا تو خط میں مضمون یوں تھا۔

''اللہ کے رسول محمد بن عبداللہ کی جانب سے کِسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا ہے''۔

اس بات پر اسے بڑا طیش آیا کہ حضور ﷺ نے اپنا نام اس کے نام سے پہلے لکھا ہے اور اس نے بڑا شور مچایا۔ خط کو پڑھنے سے پہلے ہی اس نے خط لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس نے حکم دے کر حضرت شجاع کو اپنے ایوان سے باہر نکال دیا۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر اپنی سواری پر بیٹھ کر چل دیئے اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کا خط کِسریٰ کو پہنچا دیا ہے اَب مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے چاہے وہ خوش ہو چاہے وہ ناراض ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ جب کِسریٰ کا غصّہ ٹھنڈا ہو گیا تو اس نے حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ روانہ ہو چکے تھے اس لئے وہاں نہ ملے وہ آدمی تلاش میں حِیرَہ تک گیا لیکن حضرت شجاع رضی اللہ عنہ وہاں سے بھی آگے نِکل گئے تھے۔ حضرت شُجاع رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر ساری کارگزاری سُنائی اور یہ بتایا کہ کِسریٰ نے حضور ﷺ کے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کِسریٰ نے تو اپنے مُلک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

حضرت ابوسَلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ کا خط کِسریٰ

کے پاس پہنچا اور اس نے پڑھ کر اسے پھاڑ ڈالا تو اس نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو خط لکھا کہ اپنے پاس سے دو مضبوط قسم کے آدمی حجاز کے اس (خط لکھنے والے) آدمی کے پاس بھیج دو تا کہ وہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئیں۔ چنانچہ اس نے کسریٰ کے خط کی وجہ سے اپنے داروغہ کے ساتھ جَدّ جُمَیرہ نامی فارسی آدمی کو بھیجا۔ اس داروغہ کا نام اَبانوہ تھا۔ وہ مُنشی اور بڑا حساب دان تھا اور اس نے ان دونوں کے ساتھ حضور ﷺ کے نام ایک خط بھیجا۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ حضور ﷺ ان دونوں کی ہمراہی میں کسریٰ کے پاس چلے جائیں اور یمن کے گورنر نے اپنے داروغہ سے کہا کہ ان کی (یعنی حضور ﷺ کی) تمام چیزوں کو غور سے دیکھنا اور ان سے خوب بات چیت کرنا اور ان کے تمام حالات اچھی طرح معلوم کر کے آنا اور سب مجھے بتانا۔ وہ دونوں یمن سے چلے اور طائف پہنچے وہاں ان دونوں کو قریش کے چند تاجر ملے۔ انہوں نے تاجروں سے حضور ﷺ کے بارے میں دریافت کیا تو ان تاجروں نے بتایا کہ حضور ﷺ یثرب میں (یعنی مدینہ میں) ہیں۔ (حضور ﷺ کو کسریٰ کے پاس لے جانے کے لئے ان دو سپاہیوں کے آنے سے) وہ تاجر بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب تو حضور ﷺ کے مقابلے میں کسریٰ کھڑا ہو گیا ہے لہٰذا اب حضور ﷺ سے نمٹنے کے لئے تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ دونوں وہاں سے چلے حتیٰ کہ مدینہ پہنچ گئے اور اَبَانُوہ نے حضور ﷺ سے کہا کہ کسریٰ نے یمن کے گورنر باذان کو خط بھیجا کہ وہ (باذان) آپ کے پاس چند سپاہیوں کو بھیج دے جو آپ کو کسریٰ کے پاس پہنچا دیں چنانچہ باذان نے ہمیں اسی غرض سے بھیجا ہے تا کہ آپ ہمارے ساتھ کسریٰ کے پاس چلیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب تو تم دونوں واپس چلے جاؤ۔ کل میرے پاس آنا۔ جب اگلے دن صبح کو وہ دونوں حضور ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے ان کو بتایا کہ اللہ نے فلاں مہینے کی فلاں رات میں کسریٰ پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا جس نے اسے قتل کر کے

حکومت پر قبضہ کرلیا۔ان دونوں نے کہا کیا آپ سوچ سمجھ کر بول رہے ہیں؟ کیا یہ بات ہم باذان کو لکھ دیں؟ آپ نے فرمایا ہاں لکھ دو اور اس کو یہ بھی کہہ دینا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے گا تو جتنا علاقہ اس کے قبضہ میں ہے سب اسے ہی دے دوں گا۔پھر آپ نے جدِّ جمیرہ کو ایک پٹکا دیا جو آپ کو ہدیہ میں ملا تھا اور اس میں سونا چاندی تھا،ان دونوں نے یمن واپس آکر باذان کو ساری بات بتائی،باذان نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ کسی بادشاہ کا کلام نہیں معلوم ہوتا ہے اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے ہم اس کی تحقیق کر لیتے ہیں۔کچھ ہی عرصہ کے بعد باذان کے پاس شیرویہ کا خط آیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے اہلِ فارس کی حمایت کے لئے غصہ میں آکر کسریٰ کو قتل کر دیا ہے کیونکہ وہ اہلِ فارس کے شرفاء کو بلاوجہ قتل کرنے کو اپنے لئے درست سمجھتا تھا۔اپنے علاقہ کے تمام لوگوں سے میری اطاعت کا عہد لے لو اور جس آدمی (یعنی حضور ﷺ) کی گرفتاری کا کسریٰ نے تمہیں خط لکھا تھا،اب اس آدمی کو کچھ نہ کہو۔جب باذان نے شیرویہ کا خط پڑھا تو اس نے کہا کہ یہ آدمی (یعنی حضور ﷺ) تو یقیناً اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں اور وہ بھی مسلمان ہو گیا اور یمن میں جتنے فارسی شہزادے رہتے تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنا خط دیکر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو کسریٰ کے پاس بھیجا اس خط میں آپ نے کسریٰ کو اسلام کی دعوت دی تھی۔جب کسریٰ نے وہ خط پڑھا تو اسے پھاڑ دیا پھر اس نے یمن میں اپنے گورنر باذان کو خط لکھا۔آگے سابقہ حدیث جیسا مضمون ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ دونوں آدمی مدینہ پہنچے اور بابویہ نے حضور ﷺ سے یہ بات کہی کہ شہنشاہ کسریٰ نے نواب باذان کو خط لکھ کر یہ حکم دیا ہے کہ وہ (باذان) آپ کے پاس آدمی بھیجے جو آپ ﷺ کو کسریٰ کے پاس لے جائیں۔اگر آپ خوشی خوشی چل دیں تو میں آپ کو ایک خط لکھ

کر دوں گا جو کسریٰ کے ہاں آپ کے کام آئے گا اور اگر آپ ﷺ جانے سے انکار کرتے ہیں تو کسریٰ آپ کو اور آپ کی قوم کو ہلاک کر دے گا اور آپ کے تمام علاقہ کو برباد کر دے گا۔آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ابھی تو تم واپس چلے جاؤ کل میرے پاس آنا۔آگے سابقہ حدیث جیسا مضمون ہے۔

حضرت زید بن ابی حبیب فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو شاہِ فارس کسریٰ بن ہرمز کے پاس بھیجا اور ان کو یہ خط لکھ کر دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

’’محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا ہے۔سلامتی ہو اس انسان پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ وَحدَہٗ لَاشَرِیک کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں دنیا کے تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہوا اللہ کا رسول ہوں تاکہ میں ہر زندہ انسان کو اللہ سے ڈراؤں اور حجت کافروں پر ثابت ہو جائے۔اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو سلامتی پالو گے اور اگر انکار کرو گے تو تمام آتش پرست مجوسیوں (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ تم پر ہوگا۔‘‘

راوی کہتے ہیں کہ کسریٰ نے جب حضور ﷺ کا خط پڑھا تو اسے پھاڑ ڈالا اور (غصہ میں آکر) کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھے ایسا خط لکھتا ہے۔پھر کسریٰ نے بادام کو خط لکھا۔آگے راوی نے ابن اسحاق جیسا مضمون بیان کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ دونوں سپاہی جب حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تو ان دونوں نے اپنی داڑھیاں منڈوا رکھی تھیں اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں۔آپ ﷺ نے ناگواری کے ساتھ ان دونوں کو دیکھا اور فرمایا کہ تمہارا ناس ہو تمہیں ایسا کرنے کا کس نے حکم دیا؟ تو ان

دونوں نے کہا ہمارے رَبّ نے یعنی کسریٰ نے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تو میرے رَبّ نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کتروانے کا حکم دیا ہے۔ (ابن جریر)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مبعوث ہوئے تو کسریٰ نے یمن اور اس کے آس پاس کے علاقہ عرب کے اپنے گورنر بادام کو یہ پیغام بھیجا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارے علاقہ میں ایک ایسا آدمی ظاہر ہوا ہے جو اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس سے کہہ دو یا تو وہ اس سے باز آجائے ورنہ میں اس کی طرف ایسا لشکر بھیجوں گا جو اسے اور اس کی قوم کو قتل کر ڈالے گا۔ راوی کہتے ہیں کہ بادام کے قاصد نے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر یہ سارا پیغام پہنچایا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اگر یہ دعوئے نبوت میں نے اپنی طرف سے کیا ہوتا تو میں اسے چھوڑ دیتا وہ تو مجھے اللہ عزوجل نے مبعوث فرمایا ہے اور اس کام پر لگایا ہے۔ وہ قاصد آپ کے ہاں ٹھہر گیا۔ حضور ﷺ نے اس سے فرمایا کہ میرے رَبّ نے کسریٰ کو قتل کر دیا اور آج کے بعد کسی کا لقب کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر کو قتل کر دیا اور آج کے بعد کسی کا لقب قیصر نہ ہوگا۔

چنانچہ قاصد نے وہ گھڑی اور وہ دن اور وہ مہینہ لکھ لیا جس میں آپ ﷺ نے یہ بات بتائی تھی اور پھر وہ بادام کے پاس واپس چلا گیا تو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ واقعی کسریٰ مر چکا ہے اور قیصر قتل ہو چکا ہے۔ (طبرانی)

حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا۔ آگے ویسی حدیث ذکر کی ہے جیسے کہ حضور ﷺ کے قیصر کے نام خط کے بارے میں گزر چکی ہے اور اس کے آخر میں یہ مضمون ہے، پھر حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں واپس آئے تو وہاں کسریٰ کے صنعاء علاقہ کے گورنر تھے ان کی طرف سے قاصد آئے ہوئے تھے اور کسریٰ نے صنعاء کے گورنر کو دھمکی آمیز خط لکھا تھا اور بڑے زور سے لکھا تھا کہ تم اس آدمی کا (یعنی حضور ﷺ کا) کام تمام کر دو (نعوذ باللہ من ذلک) جو

تمہارے علاقہ میں ظاہر ہوا ہے اور وہ مجھے اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ یا تو میں اس کا دین قبول کر لوں، نہیں تو میں اس کو جزیہ دینے لگ جاؤں اور اگر تم نے اس کا کام تمام نہ کیا تو میں تم کو قتل کر دوں گا اور تمہارے ساتھ ایسا ویسا کروں گا چنانچہ صنعاء کے گورنر نے حضور ﷺ کے پاس پچیس آدمی بھیجے جن کو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے پاس موجود پایا۔ جب ان کا نمائندہ حضور ﷺ کو خط سنا چکا تو حضور ﷺ نے ان کو پندرہ دن تک کچھ نہ کہا، جب پندرہ دن گزر گئے تو یہ لوگ آپ ﷺ کے سامنے آئے۔ جب آپ ﷺ نے ان کو دیکھا تو ان کو بلا لیا اور ان سے فرمایا کہ جا کر اپنے گورنر سے کہہ دو کہ آج رات میرے رَبّ نے اس کے رب کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور اپنے گورنر کو ساری سرگزشت سنائی اس نے کہا کہ رات کی تاریخ یاد رکھو اور یہ بھی کہا کہ مجھے بتاؤ کہ تم نے ان کو (یعنی حضور ﷺ کو) کیسا پایا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ان سے زیادہ برکت والا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا، وہ عام لوگوں میں بلا خوف وخطر چلتے پھرتے ہیں، ان کا لباس معمولی اور سیدھا سادا ہے، ان کا کوئی پہرے دار اور محافظ نہیں ہے، ان کے سامنے لوگ اپنی آواز بلند نہیں کرتے ہیں۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر یہ خبر آگئی کہ کسریٰ ٹھیک اسی رات قتل کیا گیا جو رات آپ ﷺ نے بتائی تھی۔

حضور ﷺ کا شاہِ اِسکندریہ مُقوقِس کے نام گرامی نامہ

حضرت عبداللہ بن عبد قاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو شاہِ اِسکندریہ مُقوقس کے پاس بھیجا۔ وہ حضور ﷺ کا خط لے کر ان کے پاس پہنچے۔ مُقوقس نے حضور ﷺ کے خط کو چوما اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا بہت اکرام کیا۔ اور خوب اچھی طرح ان کی مہمان نوازی کی اور واپس بھیجتے ہوئے ان بڑا اکرام کیا اور

حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جوڑا کپڑا اور زین سمیت ایک خچر اور دو باندیاں ہدیہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجیں۔ان باندیوں میں سے ایک (ماریہ قبطیہ ہیں جو) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں اور دوسری باندی حضور ﷺ نے حضرت محمد بن قیس عبدی کو دے دی تھی۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ﷺ نے شاہِ اسکندریہ مقوقس کے پاس بھیجا، میں حضور ﷺ کا خط لے کر ان کے پاس گیا، اس نے مجھے اپنے محل میں ٹھہرایا۔اس نے اپنے تمام بڑے پادریوں کو جمع کیا اور مجھے بلا کر کہا میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں تو تم میری باتیں اچھی طرح سمجھ لو۔حضرت حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ضرور پوچھو، تو اس نے کہا مجھے اپنے حضرت کے بارے میں بتاؤ کہ کیا وہ نبی نہیں ہیں؟ میں نے کہا ہیں بلکہ وہ تو اللہ کے رسول بھی ہیں۔اس نے کہا کہ جب وہ اللہ کے رسول تھے تو جب ان کو ان کی قوم نے ان کے شہر (مکہ) سے نکالا تو انہوں نے اپنی قوم کے لئے بددعا کیوں نہیں کی؟ میں نے کہا کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے ہو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا ہاں (میں گواہی دیتا ہوں) تو میں نے کہا کہ جب ان کو ان کی قوم نے پکڑا اور وہ ان کو سُولی دینا چاہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان دنیا کی طرف اٹھا لیا تو انہوں نے اپنی قوم کے ہلاک ہونے کی بددعا کیوں نہیں کی؟ اُس نے مجھ سے کہا کہ تم تو بڑے عقلمند اور سمجھدار ہو اور عقلمند اور سمجھدار انسان کے پاس سے آئے ہو اور یہ چند ہدیئے ہیں جو میں تمہارے ساتھ حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں اور تمہارے ساتھ چند محافظ بھی بھیجوں گا جو تمہیں تمہارے محفوظ علاقے تک بحفاظت پہنچا کر واپس آئیں گے۔چنانچہ اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں تین باندیاں بھیجیں جن میں سے ایک حضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ

تھیں، دوسری باندی حضور ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دیدی تھی اور مُقوقس نے اپنے علاقہ کے نایاب اور خاص قسم کے تحفے بھی حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔

حضور ﷺ کا اہلِ نجران کے نام گرامی نامہ

عبد یسُوع کے دادا پہلے عیسائی تھے بعد میں مسلمان ہوئے وہ بیان کرتے ہیں کہ سُورت طٰسٓ سلیمان (یعنی سورہ نمل) کے نازل ہونے سے پہلے حضور ﷺ نے اہلِ نجران کو یہ خط لکھا (مطلب یہ ہے کہ اس سورت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ذکر ہے۔اس لئے اس سورت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ اپنے خطوں کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے لگ گئے چونکہ یہ خط اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے لکھا گیا ہے۔اس لئے اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے)۔

''بِاسْمِ اِلٰہ ابراہیم واسحاق ویعقوب (حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے پروردگار کے نام سے شروع کرتا ہوں) اللہ کے نبی اور اس کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے نجران کے پادری اور نجران والوں کے نام۔تم سلامتی میں رہو، میں تمہارے سامنے حضرت ابراہیم حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے معبود کی تعریف بیان کرتا ہوں اما بعد! میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کی عبادت اختیار کرو اور بندوں سے دوستی چھوڑ کر اللہ سے دوستی کرلو۔اگر تم میری اس دعوت کو نہ مانو تو پھر جزیہ ادا کرو اور اگر تم جزیہ سے بھی انکار کرتے ہو تو پھر میری طرف سے تمہارے لئے اعلانِ جنگ ہے۔ والسلام

جب پادری کو حضور ﷺ کا یہ خط ملا اور اس نے پڑھا تو وہ ایک دم گھبرا گیا اور بہت زیادہ خوف زدہ ہوگیا اور اس نے اہلِ نجران میں سے ایک آدمی کو بلایا جس کا نام شرجیل بن وداعہ تھا اور وہ قبیلہ ہمدان کا تھا اور کسی بھی مشکل امر کے پیش آنے پر اس

سے پہلے کسی کو نہیں بلایا جاتا تھا حتیٰ کہ ایہم اور سید اور عاقب کو بھی اس سے پہلے نہیں بلایا جاتا تھا.(یہ تینوں ان کے اہم عہدوں کے نام ہیں) شرجیل کے آنے پر پادری نے اس کو حضور ﷺ کا خط دیا.اس نے غور سے پڑھا. پادری نے پوچھا اے ابو مریم !اس خط کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبی بھیجنے کا جو وعدہ کر رکھا ہے وہ آپ جانتے ہی ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ آدمی وہی نبی ہو اور نبوت کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا ہوں اور اگر دنیا کا کوئی معاملہ ہوتا تو میں آپ کو سوچ سمجھ کر اپنا مشورہ پیش کر دیتا۔ پادری نے شرجیل سے کہا ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ شرجیل ایک کونے میں بیٹھ گئے پھر پادری نے آدمی بھیج کر اہلِ نجران میں سے ایک اور آدمی کو بلایا جس کا نام عبداللہ بن شرجیل تھا اور وہ قبیلہ حمیر کی ذی اصبح شاخ میں سے تھا۔ پادری نے اسے خط پڑھنے کے لئے دیا اور اس خط کے بارے میں اس کی رائے پوچھی،اس نے بھی شرجیل جیسا جواب دیا تو اس سے پادری نے کہا ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ ایک کونے میں بیٹھ گیا پھر پادری نے آدمی بھیج کر اہلِ نجران کے ایک اور آدمی کو بلایا جس کا نام جبار بن فیض تھا اور وہ قبیلہ بنو الحارث بن کعب کی شاخ بنو الحماس میں سے تھا اسے بھی پڑھنے کے لئے خط دیا اور اس خط کے بارے میں اس کی رائے پوچھی تو اس نے بھی شرجیل اور عبداللہ جیسا جواب دیا۔ پادری کے کہنے پر وہ بھی ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ جب ان سب نے اس بارے میں ایک ہی رائے دی تو پادری کے حکم دینے پر گھنٹا بجایا گیا اور گرجا گھروں میں آگ روشن کی گئی اور ٹاٹ کے جھنڈے بلند کئے گئے۔ دن میں جب گھبراہٹ کی بات پیش آئی تو وہ لوگ ایسا ہی کیا کرتے اور اگر رات کو گھبراہٹ کی بات پیش آتی تو صرف گھنٹا بجاتے اور گرجا گھروں میں آگ روشن کرتے چنانچہ جب گھنٹا بجایا گیا اور ٹاٹ کے جھنڈے بلند کئے گئے تو

وادی کے تمام اوپر نیچے کے رہنے والے جمع ہو گئے اور وہ وادی اتنی لمبی تھی کہ تیز سوار اسے ایک دن میں طے کرے اور اس میں تہتر بستیاں اور ایک لاکھ بیس ہزار جنگجو جوان تھے۔ پادری نے ان سب کو حضور ﷺ کا خط پڑھ کر سنایا اور ان سے اس خط کے بارے میں رائے پوچھی تو ان کے تمام اہلِ شوریٰ نے یہ رائے دی کہ شرجیل بن وداعہ ہمدانی اور عبداللہ بن شرجیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو حضور ﷺ کے پاس بھیج دیا جائے اور یہ تینوں حضور ﷺ کے تمام حالات معلوم کر کے آئیں چنانچہ ان تینوں کا وفد گیا۔

جب یہ مدینہ پہنچے تو انہوں نے اپنے سفر کے کپڑے اتار دیئے اور یمن کے بنے ہوئے مزین اور لمبے جوڑے پہن لئے جو زمین پر گھسٹ رہے تھے اور ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں پہن لیں۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا لیکن آپ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ وہ لوگ دن بھر حضور ﷺ سے گفتگو کا موقع تلاش کرتے رہے لیکن آپ ﷺ نے ان سے کوئی گفتگو نہ فرمائی کیونکہ انہوں نے وہ جوڑے اور سونے کی انگوٹھیاں پہنی ہوئی تھیں۔ پھر وہ تینوں حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تلاش میں چلے ان لوگوں کی ان دونوں حضرات سے جان پہچان تھی وہ دونوں حضرات مہاجرین اور انصار کی ایک مجلس میں مل گئے تو ان لوگوں نے کہا اے عثمان اور اے عبدالرحمٰن! تمہارے نبی نے ہمیں خط لکھا جس کی وجہ سے ہم یہاں آئے ہیں ہم نے ان کی خدمت میں جا کر سلام کیا لیکن انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا اور دن بھر ہم ان سے گفتگو کا موقع تلاش کرتے رہے لیکن انہوں نے ہمیں کوئی موقع نہیں دیا ہم تو اب تھک گئے ،تو آپ دونوں کا کیا خیال ہے؟ کیا ہم واپس چلے جائیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اسی مجلس میں موجود تھے تو ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوالحسن !ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات سے فرمایا کہ میرا

خیال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے یہ جوڑے اور انگوٹھیاں اتار دیں اور اپنے سفر والے کپڑے پہن لیں اور پھر حضور ﷺ کی خدمت میں جائیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور خدمت میں حاضر ہو کر سلام کیا تو حضور ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم! جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے یہ لوگ جب پہلی مرتبہ میرے پاس آئے تھے تو ابلیس بھی ان کے ساتھ تھا۔ پھر حضور ﷺ نے ان سے حالات پوچھے اور انہوں نے حضور ﷺ سے اپنے سوالات کئے یونہی سوالات کا سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ پوچھا کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کیونکہ ہم عیسائی ہیں ہم اپنی قوم کے پاس واپس جائیں گے، اگر آپ نبی ہیں تو ہماری خوشی اس میں ہے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کے خیالات سن کر جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ آج تم لوگ ٹھہر جاؤ میرا ربّ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بتائے گا میں تمہیں اس کی خبر کر دوں گا۔ اگلے دن صبح کو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ سے لے کر الۡکٰذِبِیۡنَ تک۔

ترجمہ:...... بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی، بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا، وہ ہو گیا۔ حق وہ ہے جو تیرا رب کہے۔ پھر تو مت رہ شک لانے والوں سے پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں، بعد اس کے کہ آ چکی تیرے پاس خبر سچی، تو تو کہہ دے آؤ بلا دیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان۔ پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔

(حضور ﷺ نے ان کو یہ آیات سنائیں لیکن ان آیات کو سن کر) انہوں نے ان کو ماننے سے انکار کر دیا (اور مباہلہ کے لئے تیار ہو گئے) چنانچہ اگلے روز حضور ﷺ مباہلے کے لئے

تشریف لائے اور اپنی چادر میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو لپیٹے ہوئے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں اور اس دن آپ کی بہت سی بیویاں تھیں۔ (یہ منظر دیکھ کر) شرجیل نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ جب وادی کے اوپر اور نیچے کے رہنے والے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو سب میرے فیصلہ پر ہی مطمئن ہو کر واپس جاتے ہیں اور اللہ کی قسم! میں بہت مشکل اور کٹھن بات دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کی قسم! اگر یہ آدمی واقعی غصہ سے بھرا ہوا ہے (اور ہم ان کی بات نہیں مانتے ہیں) تو عربوں میں سب سے پہلے ان کی آنکھوں کو پھوڑنے والے اور ان کے امر کی سب سے پہلے تردید کرنے والے ہو جائیں گے۔ تو پھر انکے اور ان کے ساتھیوں کے دل سے ہمارا خیال اس وقت تک نہیں نکلے گا یعنی ان کا غصہ اس وقت تک ٹھنڈا نہیں پڑے گا جب تک یہ ہمیں جڑ سے نہیں اکھیڑ دیتے ہیں اور ہم عربوں میں ان کے سب سے قریبی پڑوسی ہیں اور اگر یہ آدمی واقعی نبی اور رسول ہے اور ہم نے ان سے مباہلہ کر لیا تو روئے زمین کے ہم تمام عیسائی ہلاک ہو جائیں گے۔ ہم میں سے کسی کا بال اور ناخن تک نہیں بچے گا۔ تو شرجیل کے دونوں ساتھیوں نے کہا اے ابو مریم! تو پھر تمہارا کیا خیال ہے؟ شرجیل نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ میں ان کو حکم بنا لیتا ہوں کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایسے انسان ہیں جو کبھی بھی بے جا شرط نہیں لگائیں گے۔ ان دونوں نے کہا اچھا تم جیسے مناسب سمجھو۔ چنانچہ شرجیل حضور ﷺ کی خدمت میں ملاقات کے لئے گیا اور اس نے حضور ﷺ سے عرض کیا مباہلہ سے بہتر ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا (ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں) آپ رات بھر سوچ کر کل صبح ہمیں اپنی شرطیں بتا دیں۔ آپ جو بھی شرطیں لگائیں گے وہ ہمیں منظور ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ تمہاری مخالفت کریں اور یوں صلح کرنے پر تم پر اعتراض کریں۔ شرجیل نے

کہا آپ ﷺ میرے ان دونوں ساتھیوں سے پوچھ لیں۔آپ ﷺ نے ان دونوں سے پوچھا تو ان دونوں نے کہا کہ ہماری وادی کے تمام لوگ شرجیل کے فیصلہ کو دل و جان سے مان لیتے ہیں۔چنانچہ حضور ﷺ واپس تشریف لے گئے اور ان سے مباہلہ نہ فرمایا۔اگلے دن وہ تینوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضور ﷺ نے ان کو یہ خط لکھ کر دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ο

''یہ وہ معاہدہ ہے جو اللہ کے نبی محمد رسول اللہ نے نجران والوں کے بارے میں لکھا ہے کہ محمد ﷺ کا ان کے بارے میں یہ فیصلہ ہے کہ تمام پھل سونا اور چاندی اور غلام وغیرہ سب نجران والوں کے پاس رہے گا اور یہ محمد ﷺ کی طرف سے ان پر فضل و احسان ہے، اور اس کے بدلہ میں وہ دو ہزار جوڑے دیا کریں گے۔ایک ہزار جوڑے رجب میں اور ایک ہزار جوڑے صفر میں۔

اور باقی تمام شرطیں بھی ذکر کیں۔البدایۃ (ج۵ص۵۵) میں اس کے بعد یہ مضمون ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت غیلان بن عمرو اور بنی نصر کے حضرت مالک بن عوف اور اقرع بن حابس حنظلی اور حضرت مغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس معاہدہ پر گواہ بنے اور آپ ﷺ نے یہ معاہدہ لکھوایا۔معاہدہ نامہ لے کر وہ نجران کو واپس چل پڑے۔جب یہ لوگ نجران پہنچے تو پادری کے پاس اس کا ماں جایا چچا زاد بھائی موجود تھا جس کا نام بشیر بن معاویہ اور جس کی کنیت ابوعلقمہ تھی۔ان لوگوں نے حضور ﷺ کا معاہدہ نامہ اس پادری کو دیا۔وہ پادری اور اس کا بھائی ابوعلقمہ دونوں سواری پر جا رہے تھے اور پادری حضور ﷺ کا معاہدہ نامہ پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں بشیر کی اونٹنی ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گری اور بشیر بھی گر گیا اور اس نے حضور ﷺ کا صاف نام لے کر حضور ﷺ کے لئے ہلاکت کی بددعا کی۔اس میں اشارے یا کنایہ سے کام نہیں

لیا۔اس پر پادری نے اس سے کہا اللہ کی قسم! تم نے ایک نبی اور رسول کی ہلاکت کی بددعا کی ہے (اس جملہ سے متاثر ہو کر) بشیر نے پادری سے کہا کہ اگر وہ واقعی نبی اور رسول ہیں تو پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے اپنی اونٹنی کے کجاوے کی کوئی بھی گرہ نہیں کھولوں گا۔چنانچہ بشیر نے اپنی اونٹنی کا منہ مدینہ کی طرف موڑ دیا۔پادری نے بھی اپنی اونٹنی ان کی طرف موڑ دی اور اس سے کہا ذرا میری بات سمجھ تو لو۔میں نے یہ بات ڈرتے ڈرتے صرف اس لئے کہہ دی تھی تاکہ میری طرف سے عربوں کو یہ بات پہنچ جائے کہ ہم نے آپ کے حق ہونے کو مان لیا ہے یا ہم نے آپ کی آواز (دعوائے نبوت) کو قبول کر لیا ہے یا ہم نے عاجز ہو کر آپ کی بات کا اقرار کر لیا ہے جس کا تمام عربوں نے بھی اقرار نہیں کیا۔حالانکہ ہم عربوں میں زیادہ عزت والے اور زیادہ گھروں والے (یعنی زیادہ آبادی والے) ہیں۔بشیر نے اس سے کہا کہ نہیں نہیں اللہ کی قسم! جو بات تم اب کہہ رہے ہو میں اسے کبھی بھی نہیں مانوں گا۔اس کے بعد بشیر نے اپنی اونٹنی کی رفتار تیز کرنے کے لئے اسے مارا اور پادری کو پس پشت چھوڑ گئے اور وہ یہ رجزیہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

اِلَیۡکَ تَغۡدُو قَلِقًا وَّضِیۡنُھَا مُعۡتَرِضًا فِی بَطۡنِھَا

جَنِیۡنُھَا مُخَالِفًا دِیۡنَ النَّصَارٰی دِیۡنُھَا

ترجمہ:......یارسول اللہ ﷺ! میری یہ اونٹنی آپ ہی کی طرف چل رہی ہے اس کی پیٹی تیز چلنے کی وجہ سے خوب ہل رہی ہے اور اس کے پیٹ میں اس کا بچہ ٹیڑھا پڑا ہوا ہے اور اس کا دین یعنی اس کے سوار کا دین نصاریٰ کے دین سے مختلف ہو چکا ہے۔

چنانچہ بشیر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے اور پھر زندگی بھر حضور ﷺ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ (ایک غزوہ میں) وہ شہید ہو گئے۔بہرحال وہ تین آدمیوں کا وفد نجران کے علاقہ میں پہنچا پھر یہ وفد ابن ابی شمر زبیدی راہب کے

پاس گیا جو کہ اپنے گرجے کے اوپر خلوت خانے میں تھا اور وفد نے اسے یہ بتایا کہ تہامہ میں ایک نبی مبعوث ہیں اور پھر انہوں نے اس راہب کو اپنے سفر کی کارگزاری سنائی کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں گئے۔ حضور ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی لیکن انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور بشیر بن معاویہ حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر مسلمان ہو چکا ہے۔ تو اس راہب نے کہا مجھے اس بالا خانہ سے نیچے اتارو ورنہ میں اپنے آپ کو نیچے گرا دوں گا۔ چنانچہ لوگوں نے اسے نیچے اتارا اور وہ چند ہدیے لے کر حضور ﷺ کی طرف چل دیا۔ ان ہدیوں میں وہ چادر بھی تھی جو خلفاء اوڑھا کرتے تھے اور ایک پیالہ اور ایک لاٹھی بھی تھی اور کافی عرصہ تک حضور ﷺ کی خدمت میں ٹھہر کر وحی کو سنتا رہا لیکن اس کے مقدر میں اسلام نہیں تھا اور جلد واپس آنے کا وعدہ کر کے اپنی قوم کی طرف چلا گیا لیکن حضور ﷺ کی خدمت میں واپس آنا بھی اس کے مقدر میں نہیں تھا۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا اور ابو الحارث پادری سید اور عاقب اور اپنی قوم کے ممتاز لوگوں کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور یہ سب لوگ وہاں ٹھہر کر آسمان سے اترنے والے قرآن کو سنتے رہے۔ حضور ﷺ نے نجران کے اس پادری کے لئے اور دوسرے پادریوں کے لئے یہ تحریر لکھ دی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

اللہ کے نبی محمد ﷺ کی طرف سے یہ تحریر ابو الحارث پادری اور نجران کے دوسرے پادریوں اور کاہنوں اور راہبوں کے لئے ہے۔

تھوڑی یا زیادہ جتنی چیزیں ان کے قبضہ میں ہیں وہ سب ان ہی کے پاس رہیں گی ان سب کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اپنے پناہ میں لے لیا ہے۔ کسی پادری اور راہب اور کاہن کو اس کے منصب سے نہیں ہٹایا جائے گا اور ان کے حقوق اور ان کے اقتدار اور ان کے عہدوں کو نہیں چھینا جائے گا اور اللہ و رسول ﷺ کی یہ پناہ اس وقت

تک ہے۔ جب تک کہ یہ ٹھیک ٹھیک چلیں اور لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کرتے رہیں۔ نہ ان پر ظلم کیا جائیگا نہ یہ کسی پر ظلم کریں۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے یہ تحریر لکھی تھی۔

ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمۃ الحق بلند کیا جائے

عرصہ دراز سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب کبھی ظلم نے سر اُٹھایا تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے ظلم کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور جب بھی شریعت کے خلاف کام ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے کلمۃ الحق بلند کیا چاہے وہ قید خانہ ہو یا بادشاہوں کے محلات ہوں ہر جگہ بہادری اور ایمانی طاقت کے ساتھ بادشاہوں اور عام مسلمانوں کی اصلاح کی۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی شان یہ ہے کہ اُنہوں نے کبھی بھی خلاف شریعت کام میں بادشاہوں اور مالداروں کی ہاں میں ہاں نہ ملائی بلکہ بھرے درباروں میں اِن کی پکڑ کی۔

اِن خاصانِ خدا کو کبھی اپنی موت کا خوف نہ رہتا تھا اور کیوں ہو جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ سے ڈرتا ہو، ان کی محبتوں کو سینوں میں سجاتا ہو ان کو کہاں پھر دنیاوی حکمرانوں کا خوف ہو سکتا ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید پلید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد جب یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے لوگوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا، شراب عام ہوگئی اور طرح طرح کے گناہ سر عام ہونے لگے۔

ایسے پرفتن اور بھیانک دور میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے کلمۃ الحق بلند کیا اور

یزید کو بہت سمجھایا کہ وہ اس طرح کی شرمناک حرکتوں سے باز آ جائے مگر وہ نہ مانا۔ یہاں تک کہ جب اس نے زبردستی لوگوں سے اپنی بیعت لینا شروع کی تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اس کی مخالفت کی اور علی الاعلان اس کے خلاف آوازِ حق بلند کی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء اولادوں اور گھروں کو تین دن تک بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایک کر کے سارے رفقاء کو شہید کر دیا مگر آپ کلمۃ الحق سے نہ ہٹے۔ رفقاء کے بعد آپ کی اولادوں کو جوان صاحبزادوں کو یہاں تک کہ شیرخوار صاحبزادے کو بھی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا مگر حق بات کہنے سے پیچھے نہ ہٹے۔ آخر کار اپنی گردن کٹا دی۔

مگر ظلم کے آگے سر نہ جھکایا اور گھوڑے سے گرے اور گرے بھی اس شان سے کہ ساری امت مسلمہ کو اٹھا لیا۔ یزید کا غرور خاک میں ملا دیا اور آنے والے مسلمانوں کو یہ سمجھا گئے کہ حق کی خاطر کٹ جانا مگر جھکنا نہیں کیونکہ جو سر حق کے لئے کٹتا ہے وہ بلند ہو جاتا ہے اور جو باطل کے سامنے جھکتا ہے وہ مٹ جاتا ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ حجاج کے سامنے

جہاں حق گوئی کی بات آتی ہے وہاں ایک مبارک نام حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا آتا ہے جنہوں نے ظالم کے سامنے حق گوئی سے کام لے کر تاریخ میں ایک باب رقم کیا۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو مکہ کے گورنر خالد بن عبداللہ قشیری نے گرفتار کیا پھر بھی وہ حق کا پرچم بلند کرنے سے باز نہ آئے تو انہیں حجاج بن یوسف کے پاس کوفہ لے جایا گیا۔ حجاج نے ان سے کافی بحث و مباحثہ کیا اور آخری میں حجاج نے حضرت سعید رضی اللہ عنہ

سے کہا......

حجاج نے کہا میرے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ حجاج وہ ظالم بادشاہ ہے جس کے ظلم کا یہ حال تھا کہ وہ اس طرح کہتا تھا کہ دائیں دروازے سے باہر نکلنا۔ اگر بائیں دروازے سے باہر نکلے تو تمہاری گردن اڑانا مجھ پر حلال ہوگی۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن ساری قوموں کے ظالم پیش کئے جائیں اور امت مسلمہ حجاج بن یوسف کو پیش کرے تو یہ ایک سب پر سبقت لے جائے گا۔ اس بات سے اس کے ظلم کا اندازہ لگایئے۔

حجاج نے کہا پھر بھی......

حضرت سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ کتاب اللہ کی نافرمانی تمہارا دستور زندگی بن چکا ہے اپنے نفس کے اشارے پر تم وہ کام کرتے ہو جس سے تمہاری ہیبت اور دبدبہ قائم ہو اور یہ بات تمہیں تباہ کر کے رکھ دے گی۔

حجاج نے کہا کہ اے سعید! تم پر افسوس ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس پر افسوس جو جنت سے محروم کر کے دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو۔

حجاج کے حکم پر حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے سامنے مال و جواہرات کا انبار لگایا جاتا ہے۔

حضرت سعید رضی اللہ عنہ مال دیکھ کر فرمانے لگے کہ اگر تم نے یہ مال و جواہرات اس لئے جمع کئے ہیں کہ انہیں فدیہ میں دے کر روز قیامت اپنے کئے سے چھٹکارا پا سکو تو اچھی بات وگرنہ اتنا دہشت ناک دن ہوگا کہ دودھ پلانے والی ماں شیرخوار بچے کو بھول جائے گی۔

حجاج نے عود جلانے اور بانسری بجائے جانے کا حکم دیا اور کہا تم نے کبھی تفریح کا سامان دیکھا ہے؟

حضرت سعید ؓ نے فرمایا کہ یہ نغمۂ ماتم ہے بانسری کی آواز نے اس آنے والے دن کی یاد دلا دی جب صور پھونکا جائے گا اور عود ایک کاٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے جو ہوسکتا ہے کہ ناحق کاٹی گئی ہو اور اس کے تاران بکریوں کے پٹھوں سے بنائے گئے ہیں جوان کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔

حجاج غصہ ہوجاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تمہیں اِس طرح قتل کروں گا کہ آج تک میں نے نہ کسی کو قتل کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

حضرت سعید ؓ نے فرمایا کہ تم میری دنیا بگاڑو گے میں تمہاری آخرت برباد کردوں گا۔

حجاج کہتا ہے کہ سعید! اپنے لئے موت کی جوصورت چاہو پسند کرلو۔

حضرت سعید ؓ کہتے ہیں کہ حجاج آخرت میں اپنے لئے قتل کی جوصورت پسند ہے وہی اختیار کرلو۔

حجاج کہتا ہے کہ تو کیا چاہتا ہے کہ میں تمہیں معاف کردوں۔ حضرت سعید ؓ فرماتے ہیں کہ اگر تو مجھے معاف کردے گا تو یہ معافی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوگی تم تو بہرحال نہ اس سے بری الذمہ ہوگئے اور نہ کوئی تمہارا انصاف قابل قبول ہوگا۔

حجاج حکم دیتا ہے کہ اسے لے جاؤ اور قتل کردو۔ یہ سن کر حضرت سعید ؓ ہنس پڑتے ہیں۔ حجاج کہتا ہے کہ تم کس بات پر ہنسے؟

حضرت سعید ؓ فرماتے ہیں کہ..... اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تمہاری جسارت اور تمہارے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کا حکم دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ قتل ہونے سے پہلے حضرت سعید ؓ نے کلمہ شہادت پڑھا اور کہا اے حجاج اب قیامت کے روز تم سے ملاقات ہوگی اور پھر حضرت سعید ؓ ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں۔

اے اللہ تبارک وتعالیٰ ! میرے قتل کے بعد ظالم حجاج کو کسی شخص کے قتل پر

قدرت نہ دینا۔

پھر حضرت سعید ؓ کے سر کو تن سے جدا کردیا گیا۔

امام اعظم ؓ کو عہدے کی پیشکش

خلیفہ منصور کے دور حکومت میں امام اعظم ؓ کو بار بار قاضی کا عہدہ پیش کیا گیا۔ یہاں تک کہ سلطنت عباسیہ کے قاضی القضاء (چیف جسٹس) کا عہدہ پیش کیا گیا لیکن امام اعظم ؓ اس کو ٹالتے رہے۔

ایک مرتبہ بڑے نرم انداز میں معذرت کرتے ہوئے کہا ”قاضی بننے کے لئے وہی شخص موزوں ہوسکتا ہے جو اتنی ہمت رکھتا ہو کہ آپ پر اور آپ کی اولادوں اور سپہ سالاروں پر قانون نافذ کرسکے مجھ میں یہ ہمت نہیں ہے مجھے تو جب آپ بلاتے ہیں تو واپس نکل کر ہی میری جان میں جان آتی ہے۔

ایک دوسرے موقعہ پر خلیفہ منصور نے امام اعظم ؓ کو قاضی کے عہدے کو قبول کرنے پر مجبور کیا تو امام اعظم ؓ نے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں کہ قاضی کے عہدے پر فائز ہوسکوں۔

یہ سن کر خلیفہ منصور کہنے لگا کہ اے ابوحنیفہ ؓ تم جھوٹ بولتے ہو امام اعظم ؓ نے جواب دیا کہ منصور صاحب فیصلہ آپ نے ہی کردیا کہ میں جھوٹا ہوں اور جھوٹا شخص قاضی کے عہدے پر فائز ہونے کے لائق نہیں ہوتا۔

خلیفہ منصور نے کہا کہ میں قسم کھا کر یہ کہتا ہوں کہ تمہیں قاضی بنا کر ہی رہوں گا۔

امام اعظم ؓ نے جواب میں کہا کہ میں قسم کھا کر یہ کہتا ہوں کہ میں قاضی کا عہدہ قبول نہیں کروں گا۔

اللہ اللہ کیا شان ہمارے امام کی بادشاہ کی قسم کے آگے اپنی قسم کھا رہے ہیں یہی

شان ہے ایک مرد حق کی۔ اصل بادشاہت یہی ہے۔

ایک بار انکار پر کروڑوں حنفیوں کے امام، امام اعظم رضی اللہ عنہ کو تیس کوڑے مارے گئے۔ یہاں تک امام صاحب کا جسم مبارک لہولہان ہوگیا خلیفہ منصور کے چچا عبدالصمد بن علی نے اس کو سخت ملامت کی یہ تم نے کیا کیا اپنے اوپر ایک لاکھ تلواریں کھنچوالیں۔ یہ عراق کا امام ہے۔ بلکہ تمام اہل مشرق کا امام ہے۔

خلیفہ منصور نے نادم ہوکر فی تازیانہ ایک ہزار درہم کے حساب سے تیس ہزار درہم امام اعظم علیہ الرحمہ کو بھجوائے لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ نے لینے سے انکار کردیا امام اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اگر آپ اپنے لئے نہیں تو اسے لے کر خیرات کردیجئے۔

امام صاحب نے جواب دیا کہ کیا خلیفہ کے پاس کوئی مال حلال بھی ہے؟ ان تمام باتوں سے جب خلیفہ منصور کو یقین ہوگیا کہ یہ شخص میرے کسی سنہرے پنجرے میں بند ہونے کے لئے تیار نہیں اس پر میرا بس نہیں چل سکتا تو منصور انتقام پر اتر آیا امام صاحب کو کوڑوں سے پٹوایا، جیل میں قید کردیا، کھانے پینے کی سخت تکلیفیں دیں پھر ایک مکان میں نظر بند کردیا اور منصور نے ظلم کی انتہا کردی۔

خلیفہ اور اس کی حکومت کی جانب سے پے درپے تکلیفیں سہتے سہتے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا آخری وقت آگیا تو انہوں نے وصیت کی کہ بغداد کے اس حصے میں انہیں دفن کیا جائے جسے خلیفہ منصور نے شہر بسانے کے لئے لوگوں کی ملکیت پر قبضہ کرلیا تھا۔ منصور نے جب اس وصیت کا حال سنا تو چیخ اٹھا ابوحنیفہ! زندگی اور موت میں تیری پکڑ سے مجھے کون بچائے۔ آخر کار اس آخری وصیت کے بعد امام اعظم رضی اللہ عنہ کو زبردستی قید خانے میں زہر دیا گیا جس کے پینے سے آپ کا وصال ہوا۔

آہ! آپ کے وصال پر زمین آسمان، جن وانس اور درودیوار روتے ہوں گے کہ آج علم کا سمندر چلا گیا۔ آج جہالت سے نکال کر علم کے سفر کی طرف قوم کو لانے

والا کروڑوں مسلمانوں کا امام چلا گیا۔ آہ! آج منصور نے علم کے چراغ کو بجھا دیا علم کی دنیا اندھیری کردی۔

آپ کے وصال کے بعد ایک چھوٹی بچی اپنے والد سے پوچھنے لگی جو کہ امام صاحب کی مسجد کے ساتھ والے مکان میں رہتی تھی کہنے لگی کہ بابا جان! مسجد کے اندر ایک ستون تھا وہ ستون کہاں گیا؟ یہ سن کر وہ شخص رو پڑا اور کہنے لگا اے میری بیٹی! وہ ستون نہیں تھا وہ تو امام اعظم رضی اللہ عنہ تھے جو ساری ساری رات قیام میں کھڑے رہتے تھے آج ان کا وصال ہوگیا۔

امام مالک رضی اللہ عنہ اور گورنر

عباسیوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ۱۳۵ھ میں محمد نفس ذکیہ نے مدینہ میں بغاوت کا علم بلند کیا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے بھی حمایت کی لوگوں نے کہا کہ ہم نے منصور کی بیعت کی ہے ہمیں اس کی اطاعت کرنی چاہئے۔

امام مالک علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ منصور نے خلافت کے لئے جبراً بیعت لی ہے اور جو کام جبراً کیا جائے شریعت میں اس کا اعتبار نہیں۔ اگر جبراً کسی سے طلاق دلائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (طلاق کے معاملے میں یہ امام مالک کا مسلک ہے) خلیفہ منصور کا چچازاد بھائی جعفر مدینہ کا گورنر تھا اس نے مرد مجاہد امام مالک علیہ الرحمہ کو دھمکایا کہ طلاق جبری کے عدم اعتبار کا فتویٰ نہ دیں۔ جعفر نے ایک شیر کو دھمکایا تھا۔ ایک مجاہد کو دھمکایا تھا۔ امام مالک علیہ الرحمہ بدستور اسی پر فتویٰ دیتے رہے۔

آخر امام مالک علیہ الرحمہ کو گرفتار کرکے ہاتھوں اور پاؤں مبارک میں زنجیر ڈال کر گورنر کے پاس لایا گیا جعفر نے ستر کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ امام مالک علیہ الرحمہ کے پھول سے بھی نرم ونازک اور مبارک جسم سے کپڑے اتروا کر بڑی بے دردی سے

کوڑے مارے گئے۔ آپ کی پیٹھ مبارک لہولہان ہوگئی دونوں مونڈھے سے اتر گئے مگر اللہ اکبر، اس مرد حق کا جذبہ کہ کوڑے کی ضرب پر آپ بلند آواز سے کہتے جاتے جبری طلاق، طلاق نہیں ہے۔

جب کوڑوں کی سزا سے جعفر کی تسلی نہ ہوئی تو امام مالک علیہ الرحمہ کو اونٹ پر بٹھا کر شہر میں گھمایا گیا۔ امام مالک کو زخمی حالت میں اُونٹ پر بٹھایا گیا اور پھر شہر کے بازاروں میں گھمایا گیا آپ بازاروں سے گزر رہے تھے اور بلند آواز سے کہتے جاتے تھے۔

اللہ اللہ لاکھوں دلوں کی دھڑکن، جس کے چہرے کے دیدار کو ہر آنکھ ترستی ہے وہ امام آج یہ کہہ رہے ہیں کہ جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور فتوی دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں۔

یہ دیکھ کر ہزاروں آدمیوں کی چیخیں نکل گئیں کہ اتنے بڑے امام اور اس قدر صبرو استقامت۔ اس کے بعد خون آلود کپڑوں کے ساتھ آپ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف لائے خون صاف کیا اور دو رکعت نماز ادا کی۔ منصور کو جب یہ معلوم ہوا تو جعفر کو گورنری کے عہدے سے ہٹا دیا۔ امام مالک علیہ الرحمہ سے معافی مانگی اور کہا کہ میں جعفر کو سزا دوں گا۔

لیکن اللہ اکبر! مرد کامل نے جعفر کو سزا دینے سے منع کر دیا اور فرمایا انتقام کی حاجت نہیں مجھے بدلہ نہیں لینا میں جعفر کو اللہ تعالی اور اس کے محبوب ﷺ کی خاطر معاف کرتا ہوں۔

امام مالک رضی اللہ عنہ اور خلیفۂ بغداد

وفاء الوفاء میں ہے حضرت علامہ امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ بغداد منصور مسجد نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور سیدنا امام مالک علیہ الرحمہ سے گفتگو کرتے

ہوئے اس کی آواز کچھ بلند ہوگئی تو حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اے منصور! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

القرآن:...... **ترجمہ:**......اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اور ان کے حضور بات چِلّا کر نہ کرو۔ جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اَکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ (پ26 ع13)

اے خلیفہ منصور! حضور ﷺ کا ادب واحترام آج بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ ظاہری حیات مبارکہ میں تھا اس لئے روضۂ رسول ﷺ کے پاس خبردار ہرگز بلند آواز سے گفتگو مت کرنا۔ امام مالک علیہ الرحمہ کی ڈانٹ سن کر خلیفہ منصور بالکل خاموش ہوگیا پھر نہایت ہی پست آواز سے عرض کیا۔ عالیجاہ! میں حضور ﷺ کے دربار میں سلام عرض کر چکا کیا اب میں روضۂ انور کی طرف اپنا رخ کر کے دعا کروں؟ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے جواب دیا۔ تم اپنا چہرہ حضور ﷺ سے کیوں اور کس طرح پھیرو گے؟ جب کہ وہ بارگاہ خدا عزوجل میں تمہارا اور تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ تم حضور ﷺ کی طرف ہی منہ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ بناؤ تو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے وسیلے سے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو یاد رکھو......

القرآن:...... **ترجمہ:**......اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول ﷺ بھی سفارش فرمائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت معاف کرنے والا مہربان پائیں۔ (پ5 ع6)

سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ اور خلیفہ مقتضی امر اللہ

خلیفہ مقتضی الامر اللہ نے ایک ظالم شخص یحییٰ بن سعید کو بغداد کے قاضی کے

عہدے پر متعین کیا تھا۔ لوگ اس ظالم قاضی کو ابن المز احم کے نام سے یاد کرتے
تھے۔ ایک بار ایک مسجد میں قطب ربانی ولیوں کے سردار حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی
رضی اللہ عنہ جلوہ افروز تھے۔ مسجد میں آپ کی جلوہ گری سے چار چاند لگ گئے تھے ہر طرف
سے ولایت کی خوشبو آرہی تھی آپ بیان فرما رہے تھے لوگوں پر خوف خدا کی کیفیت
طاری تھی لوگ دھاڑے مار مار کر رو رہے تھے خلیفہ وقت مقتضی الامر اللہ بھی مسجد میں
حاضر تھا موقعہ دیکھ کر سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے دوران بیان خلیفہ وقت کا محاسبہ کیا اور
یحییٰ بن سعید جیسے شخص کو قاضی کے عہدے کے لئے نامزدگی پر سخت گرفت کی اور آخر
میں خلیفہ کا نام لے کر جلالت کی حالت میں ارشاد فرمایا:

اے مقتضی! تو نے مسلمانوں پر ایسے شخص کو مسلط کر دیا ہے جو سب سے بڑا ظالم
ہے کل اپنے پروردگار عالم جل جلالہ کے سامنے اس زیادتی کا کیا جواب دے گا؟ اس وقت
تو کیا کرے گا؟ اپنے رَبّ جل جلالہ کا سامنا کیسے کرے گا جو ارحم الراحمین ہے۔

مقتضی ان باتوں کو سن کر کانپ اٹھا اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور سخت نادم
ہوا، فوراً توبہ کی اسی وقت یحییٰ بن سعید جیسے ظالم قاضی کو عہدے سے ہٹا دیا۔

خلیفہ بغداد اور قاضی سوار علیہ الرحمہ

خلیفہ بغداد منصور کے دور حکومت میں حضرت قاضی سوار بن عبداللہ علیہ الرحمہ بصرہ
کے قاضی تھے کچھ لوگوں نے دربار خلافت میں چغلی کھائی کہ قاضی صاحب لوگوں کی
شخصیت سے متاثر ہو کر اور منہ دیکھ کر فیصلہ دیا کرتے ہیں۔

خلیفہ منصور نے آپ کو دربار خلافت میں جواب دہی کے لئے طلب کیا۔ قاضی
صاحب جیسے ہی دربار میں منصور کے سامنے کھڑے ہوئے منصور کو ایک دم چھینک
آ گئی قاضی صاحب نے منصور کی چھینک پر یرحمک اللہ نہیں کہا۔

یاد رکھیئے! کہ جب بھی کسی کو چھینک آئے تو وہ الحمد للہ کہے اور الحمد للہ سننے والے
پر واجب ہے کہ وہ چھینک کا جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ جواب نہ دینے والا گنہگار
ہو گا۔

خلیفہ منصور نے ناراض ہو کر پوچھا کہ آپ نے میری چھینک پر یرحمک اللہ کیوں
نہیں کہا؟

اللہ اللہ جرأت ہو تو ایسی ہو، حق بات کہنے والا ہو تو ایسا ہو مرد حق ہو تو ایسا ہو نہ کسی
کا ڈر نہ بادشاہ کے دربار میں گستاخی کا ڈر۔ قاضی سوار بن عبداللہ علیہ الرحمہ نے برجستہ
جواب دیا اس لئے نہیں کہ آپ نے الحمد للہ نہیں کہا تھا خلیفہ منصور نے کہا میں نے دل
میں الحمد للہ کہہ لیا تھا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ (بس سمجھ لو کہ) میں نے بھی دل میں
یرحمک اللہ کہہ دیا تھا۔

خلیفہ منصور حضرت قاضی سوار بن عبداللہ علیہ الرحمہ کی بے خوفی اور حاضر جوابی
سے بے حد متاثر ہوا اور کہا کہ آپ جائیں اور اپنے عہدے پر برقرار رہئے جب آپ
مجھ سے مرعوب نہیں ہوئے اور میری ہاں میں ہاں نہیں ملائی تو پھر مجھے یقین ہے کہ
آپ کسی شخصیت سے مرعوب نہیں ہو سکتے اور ہرگز ہرگز کسی کا منہ دیکھ کر کسی کے دباؤ
سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

ظالم حکمران کب مسلّط ہوتے ہیں

آج روئے زمین پر سے عدل وانصاف اُٹھتا جا رہا ہے۔ حُکّامِ بالا کے ظلم وستم
سے لوگ تنگ آ چکے ہیں جو کوئی نیا حاکم آتا ہے ظلم وستم کے نئے انداز بھی ساتھ لیتا آتا
ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ آیئے احادیث کریمہ سے اِس کا جواب لیتے ہیں۔

حدیث شریف:......حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اُنہوں نے ارشاد فرمایا نیکی

کا حکم دیتے رہنا اور بُرائی سے روکتے رہنا، نہیں تو اللہ تعالیٰ تم پر ایسا حاکم مقرّر کر دے گا جو تمہارے بزرگوں کا احترام نہیں کرے گا، تمہارے بچوں پر رحم نہیں کرے گا، تمہارے بڑے بُلائیں گے لیکن اُن کی بات نہیں مانی جائے گی وہ مدد طلب کریں گے مگر اُن کی مدد نہیں کی جائے گی اور وہ بخشش طلب کریں گے مگر اُنہیں نہیں بخشا جائے گا۔ (مکاشفۃ القلوب)

حدیث شریف:......حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم نیکی کا حکم کرو ورنہ تم پر کسی ظالم بادشاہ کو مسلّط کر دیا جائے گا جو تمہارے چھوٹے پر رحم نہیں کرے گا اور تمہارے نیک لوگوں دُعا کریں گے مگر اُن کی دعائیں قبول نہیں ہوں گے وہ معافی مانگیں گے مگر اُن کو معافی نہیں ملے گی۔ (بحوالہ: مکاشفۃ القلوب)

سبق:......یہی وجہ ہے آج جب ہم نے نیکی کا حکم اور برائیوں سے روکنا چھوڑ دیا تو ہم پر ظالم وجابر حکمران مسلّط ہو چکے ہیں ایک ظالم جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر ظالم حاکم آتا ہے اور یہ سلسلہ چلا آرہا ہے جو کہ ہمارے اعمال کی سزا ہے۔

سلطنت کا زوال

سلطنت کو زوال کفر سے نہیں ہوتا بلکہ سلطنت کو زوال ظلم و بربریت سے ہوتا ہے جہاں ظلم ہوتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں برستی اور جب مظلوم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتا چنانچہ مظلوم کی بددعا ظالم کے حق میں تیر بہدف ہے لہٰذا حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ ظلم سے بچیں کسی پر بھی ناحق ظلم نہ کریں۔

چھوٹی چھوٹی غفلتیں

حکمرانوں کو چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ چھوٹی چھوٹی

غفلتوں کی وجہ سے سلطنت کو زوال ہوتا ہے یہ چھوٹی چھوٹی غفلتیں مل کر ایک بہت مجموعہ غفلتوں کا ہو جاتا ہے جو آخر میں رنگ لاتا ہے اور زوالِ سلطنت کا موجب ہو جاتا ہے نیز جب چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام نہیں ہوتا تو غفلت کی عادت پڑ جاتی ہے پھر بڑے بڑے امور میں بھی غفلت ہونے لگتی ہے اور وہ براہِ راست مُخل ہیں سلطنت کے۔ اس لئے چھوٹی چیزوں کا اہتمام ہوگا تو بر بنا عادت بڑی چیزوں کا تو اہتمام ضروری ہی ہوگا اس میں ایک بڑا راز یہ بھی ہے کہ چھوٹے امور میں کوتاہی کرنے سے باہم اُلفت نہیں رہتی اور مدارِ سلطنت کا باہمی اتفاق پر ہے اس اہتمام کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہمیں ملتا ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آکر باتیں کرنے لگے تو آپ نے فوراً چراغ گُل کر دیا کیونکہ اس وقت آپ بیت المال کا کام کر رہے تھے اور چراغ میں تیل بھی بیت المال ہی کا تھا۔ لیجئے یہ بھی کوئی بڑی بات تھی مگر جو حاکم ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام کرے گا وہ بڑے بڑے امور کو کیوں کر نظر انداز کرے گا۔

قومی سطح پر سیاسی زندگی کی اصلاح

قومی سطح پر سیاسی زندگی کی اصلاح کے لئے اہم نکات درج ذیل ہیں:

1)......اقتدار اور مناصبِ حکومت سراسر امانت ہیں۔ کسی کی ملکیت یا وراثت نہیں۔

2)......امانتِ اقتدار کے اصل حامل عوام ہیں حکام نہیں۔ یہ امانت، حقِ رائے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عوام کو عطا کی گئی ہے۔

3)......قیامِ اقتدار بلا استثنٰی تمام لوگوں (یعنی حاملانِ امانت) کے حقِ رائے دہی کے استعمال سے عمل میں آنا چاہیے۔ کیونکہ امانتیں سُپرد کرنے کا حکم عوام کو دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ انہی کا حق ہے کہ کس کو منصبِ حکومت کے لئے منتخب کریں۔ کوئی شخص عوام سے

خدا کا یہ عطا کردہ حق غصب نہیں کرسکتا۔ اس لحاظ سے اسلامی حکومت کا صحیح معنوں میں ''نمائندہ اور منتخبہ حکومت'' ہونا اشد ضروری ہے۔

4)...... مسندِ حکومت کے لئے صرف اہل اور حقدار افراد کو ہی منتخب کیا جاسکتا ہے۔ ہر کس و ناکس اور بے علم و بے عمل شخص قیامِ اقتدار کے لئے عاقل و بالغ ہونے کی بناء پر اپنا ووٹ تو استعمال کرسکتا ہے لیکن بطورِ نمائندہ منتخب نہیں ہوسکتا۔ گویا نمائندے (CANDIDATE) کے لئے علم و عمل کے لحاظ سے اہلیت و قابلیت کی شرط ناگزیر ہے۔

5)...... قیامِ اقتدار عوام اور نمائندوں کے درمیان ایک قابلِ تنسیخ معاہدہ ہے جس کی شرائط کا پورا کرنا فریقین پر فرض ہے۔

6)...... منصبِ حکومت پر فائز ہونے کے بعد حکام کے ذمے عدل و انصاف کا قائم کرنا لازم آتا ہے جس کی خلاف ورزی سے وہ امانتِ اقتدار کو سنبھالے رکھنے کے اہل نہیں رہتے۔

7)...... جو لوگ حکام کو امانتِ اقتدار سنبھالنے کے لئے منتخب کرتے ہیں وہی انہیں انحراف کی صورت میں منصب سے معزول بھی کرسکتے ہیں۔

8)...... حاکم اور محکوم دونوں خدا اور رسول کے قانون کے یکساں طور پر تابع ہونے چاہئیں۔

9)...... حکام کی اطاعت مشروط ہوتی ہے۔ اگر وہ خود خدا اور رسول کے احکام کے تابع نہ رہیں تو عوام پر ان کی اطاعت فرض نہیں رہتی۔

10)...... عوام کو حکام سے اختلاف کرنے بلکہ نزاع کرنے کا بھی حق حاصل ہے۔ عوام کو تنقید اور مواخذے کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ ان کو اس حق سے محروم کرنا سب سے بڑا سیاسی ظلم اور احکامِ قرآنی کی صریح خلاف ورزی ہے۔

11)...... عوام اور حکام کے درمیان اختلاف کی صورت میں کسی کی رائے بھی خصوصی طور پر رعایت یافتہ یا فائق نہیں ہوتی۔

12)...... ہر نزاعی معاملے میں آخری سند خدا اور رسول کا حکم ہوتا ہے۔ یعنی قرآن وسنت کو آئینی اور دستوری طور پر حتمی و قطعی ہونے کا درجہ حاصل ہے اور ہر کوئی اسی کا پابند ہے۔ بلکہ قرآن وسنت کی حیثیت ریاستی دستور سے بالاتر ہوتی ہے۔

13)...... قرآن وسنت پر مبنی فیصلہ صادر کرنے والی عدلیہ آئینی طور پر ریاست کی مقنّنہ اور انتظامیہ سے مکمل طور پر آزاد، فائق اور بالاتر ہونی چاہیئے تاکہ وہ حکام کے غلط فیصلوں کو کالعدم قرار دے سکے۔

14)...... ہوسِ اقتدار اور ہوسِ آمریت پر مبنی نظامِ حکومت انجام کار تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ جب کہ مذکورہ بالا ''سیاسی اور دستوری ضابطہ'' ہی اجتماعی بہتری اور قومی اصلاح وفلاح کا ضامن ہے۔

اگر قومی سطح پر سیاسی زندگی کی اصلاح مذکورۃ الصدر لائحہ عمل اور سیاسی و دستوری ضابطے کے مطابق کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ قومی زندگی شاندار سیاسی انقلاب سے ہمکنار نہ ہو۔

پوری سلطنت کی قیمت پانی کا ایک گلاس

ایک مرتبہ حضرت ابنِ سماک علیہ الرحمہ خلیفۂ بغداد ہارون رشید کے دربار میں تشریف لے گئے ایک دم ہارون رشید کو پیاس لگی اور اُس نے پانی طلب کیا۔ خادم نے پانی کا گلاس ہارون رشید کے ہاتھ میں دیا تو حضرت ابنِ سماک علیہ الرحمہ نے فرمایا عالی جاہ! ذرا ٹھہر جایئے اور مجھے بتایئے کہ اگر پیاس کے وقت کہیں پانی نہ ملے اور آپ پیاس سے بے قرار ہوجائیں تو یہ ایک گلاس پانی آپ کتنی قیمت دے کر خریدیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ آدھی سلطنت دے کر پھر حضرت ابنِ سماک علیہ الرحمہ نے پوچھا کہ اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں پہنچ جائے اور آپ کا

پیشاب بند ہوجائے اور یہ پانی آپ کے بدن سے نہ نکل سکے تو آپ اس کے علاج پر کتنی رقم خرچ کردیں گے؟ ہارون رشید نے کہا کہ پوری سلطنت۔ یہ سُن کر حضرت سماک علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! وہ سلطنت جس کی قیمت ایک گلاس پانی اور اُس کا پیشاب ہو! بھلا اس قابل ہے کہ اُس کی رغبت کی جائے اور اُس پر گھمنڈ کیا جائے۔ حضرت ابن سماک علیہ الرحمہ کے اِن کلمات کو سُن کر ہارون رشید چیخ مار مار کر رونے لگا اور کچھ جواب نہ دیا۔ (تاریخ الخلفاء)

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائے گا
پَر رسول اللہ ﷺ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہمصفیرو! باغ میں ہے کوئی دَم کا چہچہا
بُلبلیں اُڑ جائیں گی سُونا چمن رہ جائے گا
اَطلَس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

حکومت کی خرابی

دنیا میں آپ جتنی خرابیاں دیکھتے ہیں اُن سب کی جڑ دراصل حکومت کی خرابی ہے، طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ قانون حکومت بناتی ہے انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ پولیس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے۔ لہٰذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے وہ یا تو خود حکومت کی پھیلائی ہوئی ہوتی ہے یا اس کی مدد سے پھیلتی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ حکومت ہی کے پاس ہے، مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ زنا دھڑلے سے ہو رہا ہے اور اعلانیہ کوٹھوں پر یہ کاروبار جاری ہے۔ اس کی وجہ

کیا ہے؟ وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حکومت کے اختیارات جن لوگوں کے ہاتھ میں ہیں اُن کی نگاہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے۔ وہ خود اس کام کو کرتے ہیں اور دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ورنہ وہ اسے بند کرنا چاہیں تو یہ کام اس دھڑلے سے نہیں چل سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سُود خواری کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے اور مالدار لوگ غریبوں کا خون چُوسے چلے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ حکومت خود سُود کھاتی ہے اور کھانے والوں کو مدد دیتی ہے۔ اس کی عدالتیں سُود خواروں کو ڈگریاں دیتی ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی اور بداخلاقی روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے۔ یہ کس لئے؟ محض اس لئے کہ حکومت نے لوگوں کی تعلیم وتربیت کا ایسا ہی انتظام کیا ہے اور اس کو اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے پسند ہیں جو آپ کو نظر آرہے ہیں۔ کسی دوسرے طرز کی تعلیم وتربیت سے آپ کسی اور نمونے کے انسان تیار کرنا چاہیں تو ذرائع کہاں سے لائیں گے؟ اور تھوڑے بہت تیار کر بھی دیں تو وہ کھپیں گے کہاں؟ رزق کے دروازے اور کھپت کے میدان تو سارے کے سارے بگڑی ہوئی حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بیحد وحساب خونریزی ہو رہی ہے۔ انسان کا علم اس کی تباہی کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ انسان کی محنت کے پھل آگ کی نذر کیے جارہے ہیں اور بیش قیمت جانیں مٹی کے ٹھیکروں سے بھی زیادہ بے دردی کے ساتھ ضائع کی جارہی ہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ صرف اس وجہ سے کہ آدم کی اولاد میں جو لوگ سب سے زیادہ شریر اور بد نفس تھے وہ دنیا کی قوموں کے رہنما اور اقتدار کی باگوں کے مالک ہیں۔ قوت اُن کے ہاتھ میں ہے، اس لئے وہ دنیا کو جدھر چلا رہے ہیں اُسی طرف دُنیا چل رہی ہے۔ علم، دولت، محنت، جان، ہر چیز کا جو مصرف انہوں نے تجویز کیا ہے اُسی میں ہر چیز صرف ہو رہی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف ظلم ہو رہا ہے، کمزور کے لئے کہیں انصاف نہیں، غریب کی زندگی دُشوار ہے،

عدالتیں ربڑ اسٹیمپ بنی ہوئی ہیں جہاں سے صرف روپے کے عوض ہی انصاف خریدا جاسکتا ہے، لوگوں سے بے حساب ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں اور افسروں کی شاہانہ تنخواہوں پر، بڑی بڑی عمارتوں پر، لڑائی کے گولہ بارود پر اور ایسی ہی دوسری فضول خرچیوں پر اڑا دیئے جاتے ہیں۔ ساہوکار، زمیندار، راجہ اور رئیس، خطاب یافتہ اور خطاب کے امیدوار عمائدین، سینما کمپنیوں کے مالک، شراب کے تاجر، فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے، جوئے کا کاروبار چلانے والے اور ایسے ہی بہت سے لوگ خلقِ خدا کی جان، مال عزّت، اخلاق، ہر چیز کو تباہ کررہے ہیں اور کوئی اُن کو روکنے والا نہیں۔ یہ سب کیوں ہورہا ہے؟ صرف اس لئے کہ حکومت کی کل بگڑی ہوئی ہے۔ طاقت جن ہاتھوں میں ہے وہ خراب ہیں۔ وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔ اور جو ظلم بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے ہونے کے خواہشمند یا کم از کم رَوادار ہیں۔

ان مثالوں سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ حکومت کی خرابی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا، اخلاق کا بگڑنا، انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا، کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے بُرے طور طریق کا رواج پانا، ظلم وستم اور بدافعالیوں کا پھیلنا اور خلقِ خدا کا تباہ ہونا سب کچھ نتیجہ ہے اس ایک بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور جب خلقِ خدا کا رزق انہی کے تصرف میں ہوگا تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے بلکہ بگاڑ کی ہر صورت اُن کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی اور جب تک اختیارات اُن کے قبضہ میں رہیں گے، کسی چیز کی اصلاح نہ ہوسکے گی۔

اصلاحِ حکومت

یہ بات جب آپ کے ذہن نشین ہوگئی تو یہ سمجھنا آپ کے لئے آسان ہے کہ خلقِ خدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستوں سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستے پر لانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو دُرست کیا جائے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو، وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کیا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے زبردستی زنا کو بند کردیا جائے تو لوگ خود بخود حرام کے راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کرلیں گے۔ شراب، جوّا، سُود، رشوت، فحش تماشے، بے حیائی کے لباس، بداخلاق بنانے والی تعلیم، اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دُور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دُور کی جاسکتی ہیں۔ جو لوگ خلقِ خدا کو لُوٹتے اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں اُن کو آپ محض پندونصیحت سے چاہیں کہ اپنے فائدوں سے ہاتھ دھولیں تو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ہاں اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ بزور اُن کی شرارتوں کا خاتمہ کردیں تو ان ساری خرابیوں کا انسداد ہوسکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ بندگانِ خدا کی محنت، دولت، ذہانت وقابلیّت غلط راستوں میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو، اگر آپ چاہیں کہ ظلم مٹے اور انصاف ہو، اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو، انسان انسان کا خون نہ چُوسے نہ بہائے، دبے اور گرے ہوئے انسان اٹھائے جائیں اور تمام انسانوں کو یکساں عزّت، امن، خوش حالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں، تو محض تبلیغ وتلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ البتہ حکومت کا زور آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔ پس یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات

ہے جس کو سمجھنے کے لئے کچھ بہت زیادہ غور وفکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کیے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ وفساد کو مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلقِ خدا کی اصلاح ہو تو اسے اٹھنا چاہیے اور غلط اُصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیے۔

حکومت کی بنیادی خرابی

یہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ بندگانِ خدا کی زندگی میں جو خرابیاں پھیلتی ہیں اُن کی جڑ حکومت کی خرابی ہے، اور اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس جڑ کی اصلاح کی جائے۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود حکومت کی خرابی کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اس خرابی کی جڑ کہاں ہے؟ اور اس میں کون سی بنیادی اصلاح کی جائے کہ وہ بُرائیاں پیدا نہ ہوں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جڑ دراصل انسان پر انسان کی حکومت ہے اور اصلاح کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ انسان پر خدا کی حکومت ہو۔ اتنے بڑے سوال کا اتنا مختصر سا جواب سُن کر آپ تعجب نہ کریں، اس سوال کی تحقیق میں جتنا کھوج آپ لگائیں گے یہی جواب آپ کو ملے گا۔

ذرا غور تو کیجئے، یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے یا کسی اور کی؟ یہ انسان جو زمین پر بستے ہیں ان کو خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟ یہ بیشمار اسبابِ زندگی جن کے بل پر سب انسان جی رہے ہیں انہیں خدا نے مہیّا کیا ہے یا کسی اور نے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب یہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ زمین اور انسان اور یہ تمام سامان خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ

ملک خدا کا ہے، دولت خدا کی ہے اور رعیّت بھی خدا کی ہے۔ پھر جب معاملہ یہ ہے تو آخر کوئی اس کا حقدار کیسے ہو گیا کہ خدا کے ملک میں اپنا حکم چلائے؟ آخر یہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ خدا کی رعیّت پر خدا کے سوا کسی دوسرے کا قانون یا خود رعیّت کا اپنا بنایا ہوا قانون جاری ہو؟ ملک کسی کا ہو اور حکم دوسرے کا چلے۔ ملکیّت کسی کی ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے، رعیّت کسی کی ہو اور اس پر فرمانروائی دوسرا کرے، یہ بات آپ کی عقل کیسے قبول کر سکتی ہے؟ ایسا ہونا تو صریح حق کے خلاف ہے۔ اور چونکہ یہ حق کے خلاف ہے اس لئے جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے نتیجہ بُرا ہی نکلتا ہے۔ جن انسانوں کے ہاتھ میں قانون بنانے اور حکم چلانے کے اختیارات آتے ہیں وہ کچھ تو اپنی جہالت کی وجہ سے مجبوراً غلطیاں کرتے ہیں، اور کچھ اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے قصداً ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ اوّل تو ان کے پاس اتنا علم نہیں ہوتا کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لئے صحیح قاعدے اور قانون بنا سکیں، اور پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ خدا کے خوف اور خدا کے سامنے جواب دہی سے غافل ہو کر لامحالہ وہ شُترِ بے مہار بن جاتے ہیں۔ ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ جو انسان خدا سے بے خوف ہو، جیسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے، جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کہ اوپر کوئی نہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو، وہ طاقت اور اختیارات پا کر شتر بے مہار نہ بنے گا تو اور کیا بنے گا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کے ہاتھ میں جب لوگوں کے رزق کی کنجیاں ہوں، جب لوگوں کی جانیں اور ان کے مال اس کی مٹھی میں ہوں، تو کیا وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ جائے گا؟ کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہو گا؟ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ وہ حق مارنے، حرام کھانے اور بندگانِ خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص

خود بھی سیدھے راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھا چلائے؟ ہرگز نہیں، ہرگز ہرگز
نہیں، ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے، ہزار ہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت
دیتا ہے، آج اپنی آنکھوں سے آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور
آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں وہ اختیارات پا کر کس قدر ظالم، خائن، اور بدراہ
ہو جاتے ہیں۔

اصلاح کی بنیاد

لہٰذا حکومت کی بنیاد میں جس اصلاح کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انسان
پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ خدا کی حکومت ہو۔ اس حکومت کو چلانے والے خود مالک
الملک نہ بنیں بلکہ خدا کو بادشاہ تسلیم کر کے اس کے نائب اور امین کی حیثیت سے کام
کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخر کار اس امانت کا حساب اُس
بادشاہ کو دینا ہے جو کُھلے اور چُھپے کا جاننے والا ہے۔ قانون اُس خدا کی ہدایت پر مبنی
ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اُس قانون کو بدلنے یا اس
میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات کسی کو نہ ہوں، تاکہ وہ انسانوں کی جہالت یا خود
غرضی اور ناروا خواہشات کے دخل پا جانے سے بگڑ نہ جائے۔

یہی وہ بنیادی اصلاح ہے جس کو اسلام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کو اپنا
بادشاہ (محض خیالی نہیں بلکہ واقعی بادشاہ) تسلیم کر لیں اور اُس قانون پر جو خدا نے اپنے نبی
کریم ﷺ کے ذریعے سے بھیجا ہے، ایمان لے آئیں، اُن سے اسلام یہ مطالبہ
کرتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے ملک میں اُس کا قانون جاری کرنے کے لئے اُٹھیں،
اس کی رعیّت میں سے جو لوگ باغی ہو گئے ہیں اور خود مالک الملک بن بیٹھے ہیں اُن کا
زور توڑ دیں اور اللہ کی رعیّت کو دوسروں کی رعیّت بننے سے بچائیں۔ اسلام کی نگاہ

میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا اور اس کے قانون کو قانونِ برحق مان
لیا۔ نہیں اس کو ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض تم پر عائد ہو جاتا ہے کہ جہاں
بھی تم ہو، جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو وہاں خلقِ خدا کی اصلاح کے لئے
اُٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو، ناخدا ترس اور
شُترِ بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرماں روائی کا اقتدار چھین لو،
اور بندگانِ خدا کی رہنمائی و سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے
مطابق، آخرت کی ذمّہ داری و جوابدہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے
ہوئے، حکومت کے معاملات انجام دو۔ اسی کوشش اور اسی جدوجہد کا نام جہاد ہے۔

حکومت ایک کٹھن راستہ

لیکن حکومت اور فرماں روائی جیسی بد بلا ہے ہر شخص اُس کو جانتا ہے۔ اس کے
حاصل ہونے کا خیال آتے ہی انسان کے اندر لالچ کے طوفان اُٹھنے لگتے ہیں۔
خواہشاتِ نفسانی یہ چاہتی ہیں کہ زمین کے خزانے اور خلقِ خدا کی گردنیں اپنے ہاتھ
میں آئیں تو دل کھول کر خدائی کی جائے۔ حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر لینا اتنا
مشکل نہیں جتنا ان اختیارات کے ہاتھ میں آ جانے کے بعد خدا بننے سے بچنا اور بندۂ
خدا بن کر کام کرنا مشکل ہے، پھر بھلا فائدہ ہی کیا ہوا اگر فرعون کو ہٹا کر تم خود فرعون بن
گئے؟ لہٰذا اس شدید آزمائش کے کام کی طرف بُلانے سے پہلے اسلام تم کو اس کے لئے
تیار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ تم کو حکومت کا دعویٰ لے کر اُٹھنے اور دنیا سے لڑنے کا حق
اُس وقت تک ہرگز نہیں پہنچتا جب تک تمہارے دل سے خود غرضی اور نفسانیت نہ نکل
جائے۔ جب تک تم میں اتنی پاک نفسی پیدا نہ ہو جائے کہ تمہاری لڑائی اپنی ذاتی یا قومی
اغراض کے لئے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا اور خلقُ اللہ کی اصلاح کے لئے ہو۔

اور جب تک تم میں یہ صلاحیت مستحکم نہ ہو جائے کہ حکومت پا کر تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو بلکہ خدا کے قانون کی پیروی پر ثابت قدم رہ سکو۔ محض یہ بات کہ تم کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے ہو، تمہیں اس کا مستحق نہیں بنا دیتی کہ اسلام تمہیں خلقِ خدا پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دے، اور پھر تم خدا اور رسول ﷺ کا نام لے لے کر وہی سب حرکتیں کرنے لگو جو خدا کے باغی اور ظالم لوگ کرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ اتنی بڑی ذمّہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے کے لئے تم کو حکم دیا جائے، اسلام یہ ضروری سمجھتا ہے کہ تم میں وہ طاقت پیدا کی جائے جس سے تم اس بوجھ کو سہار سکو۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی حکومت کو فائدہ

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں فوج، پولیس، عدالت، جیل، تحصیل داری، ٹیکس اور تمام دوسرے سرکاری کام ایسے اہلکاروں اور عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہوں جو سب کے سب خدا سے ڈرنے والے اور آخرت کی جوابدہی کا خیال رکھنے والے ہوں، اور جہاں حکومت کے سارے قاعدے اور سارے ضابطے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر قائم ہوں، جس میں بے انصافی اور نادانی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، اور جہاں بدی و بدکاری کی ہر صورت کا بروقت تدارک کر دیا جائے اور نیکی و نیکوکاری کی ہر بات کو حکومت اپنے روپے اور اپنی طاقت سے پروان چڑھانے کے لئے مستعد رہے، ایسی جگہ خلقِ خدا کی بہتری کا کیا حال ہوگا۔ پھر آپ ذرا غور کریں تو یہ بات بھی آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آجائے گی کہ ایسی حکومت جب کچھ مدّت تک کام کر کے لوگوں کی بگڑی ہوئی عادتوں کو دُرست کر دے گی، جب وہ حرام خوری، بدکاری، ظلم، بے حیائی اور بد اخلاقی کے سارے رستے بند کر دے گی، جب وہ غلط قسم کی تعلیم وتربیت کا انسداد کر کے صحیح تعلیم وتربیت سے لوگوں کے خیالات ٹھیک کر دے گی،

اور جب اس کے ماتحت عدل وانصاف، امن وامان اور نیک اطواری وخوش اخلاقی کی پاک صاف فضا میں لوگوں کو زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا، تو وہ آنکھیں جو بدکار اور ناخدا ترس لوگوں کی سرداری میں مدّت ہائے دراز تک رہنے کی وجہ سے اندھی ہو گئی تھیں، رفتہ رفتہ خود ہی حق کو دیکھنے اور پہچاننے کے قابل ہو جائیں گی۔ وہ دل جن پر صدیوں تک بداخلاقیوں کے درمیان گھرے رہنے کی وجہ سے زنگ کی تہیں چڑھ گئی تھیں، آہستہ آہستہ خود ہی آئینے کی طرح صاف ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں سچائی کا عکس قبول کرنے کی صلاحیّت پیدا ہو جائے گی۔ اُس وقت لوگوں کے لئے اس سیدھی سی بات کا سمجھنا اور مان لینا کچھ بھی مشکل نہ رہے گا کہ حقیقت میں اللہ ہی اُن کا خدا ہے اور اُس کے سوا کوئی اس کا مستحق نہیں کہ وہ اس کی بندگی کریں اور یہ کہ واقعی وہ پیغمبر سچے تھے جن کے ذریعے سے ایسے صحیح قوانین ہم کو ملے۔ آج جس بات کو لوگوں کے دماغ میں اُتارنا سخت مشکل نظر آتا ہے، اس وقت وہ بات خود دماغوں میں اُترنے لگے گی۔ آج تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ سے جس بات کو نہیں سمجھایا جا سکتا اُس وقت وہ ایسی آسانی سے سمجھ میں آئے گی کہ گویا اس میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔ جو لوگ اپنی آنکھوں سے اس فرق کو دیکھ لیں گے کہ انسان کے خود گھڑے ہوئے طریقوں پر دنیا کا کاروبار چلتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے اور خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر اسی دنیا کے کام چلائے جاتے ہیں تب کیا کیفیّت ہوتی ہے۔ اُن کے لئے خدا کی توحید اور اس کے پیغمبر کی صداقت پر ایمان لانا آسان اور ایمان نہ لانا مشکل ہو جائے گا۔ بالکل اُسی طرح جیسے پھول اور کانٹوں کا فرق محسوس کر لینے کے بعد پھول کا انتخاب کرنا آسان اور کانٹوں کا چُننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اسلام کی سچائی سے انکار کرنے اور کفر وشرک پر اڑے رہنے کے لئے بہت ہی زیادہ ہٹ دھرمی کی ضرورت ہوگی اور مشکل سے ہزار میں دس پانچ ہی آدمی ایسے نکلیں گے، جن میں زیادہ

ہٹ دھرمی موجود ہو۔

ہماری سیاست اور اسلاف کی سیاست میں فرق

سیاست کرنا کوئی بُری بات نہیں بلکہ ہمارے اسلاف نے بھی اس میں حصّہ لیا ہے یہ بات ہر شخص کو ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اسلام اور سیاست الگ الگ چیزیں نہیں ہیں سیاست کو اسلام سے جُدا سمجھنا کم علمی کی دلیل ہے سیاست اسلام کا حصّہ ہے اس کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا صاف سُتھری اور پاکیزہ سیاست میں علماء کرام اور اہلِ علم حضرات کو ضرور حصّہ لینا چاہیئے کیونکہ ہمارے اسلاف نے بھی سیاست کی اُن کی مدبرانہ سیاست کی بدولت قوم ظالم حکمرانوں کے ظلم سے محفوظ رہی۔

o...... ہماری سیاست بد دیانتی پر مبنی ہوتی ہے۔

☆......اسلاف کی سیاست نیک نیتی پر مبنی ہوتی تھی۔

o...... ہماری سیاست ذاتی مفادات پر مبنی ہوتی ہے۔

☆......اسلاف کی سیاست دینی وملکی مفادات پر مبنی ہوتی تھی۔

o...... ہماری سیاست میں گناہ کو گناہ نہیں سمجھا جاتا۔

☆......اسلاف کی سیاست تقویٰ و پرہیز گاری پر مبنی ہوتی تھی۔

o...... ہمارا سیاسی اتحاد سیٹ حاصل کرنے کے لئے معرضِ وجود میں آتا ہے۔

☆......اسلاف کا آپس میں اتحاد ملک وملّت کی ترقی کے لئے ہوتا تھا۔

o...... ہمارے سیاسی بیانات موسم کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔

☆......اسلاف ایک زبان رکھتے تھے اور اُن کا ہر ہر جُملہ سچائی کا ترجمان ہوتا تھا۔

o...... ہماری سیاست سے ملک میں فسادات جنم لیتے ہیں۔

☆......اسلاف کی سیاست سے فسادات کا خاتمہ ہوتا تھا۔

o...... ہماری سیاست نام ونمود، شہرت اور مال ومتاع کی ہوس سے بھرپور ہوتی ہے۔

☆......اسلاف کی سیاست اسلام اور قوم کی بقاء کے لئے ہوتی تھی۔

o...... ہماری سیاست گندی اور منافقت پر مبنی ہوتی ہے۔

☆......اسلاف کی سیاست منافقت سے پاک اور اسلامی اصولوں کے مطابق ہوتی تھی۔

o...... ہماری سیاست میں عوام کو مروانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

☆......اسلاف کی سیاست عوام کی جان ومال کے تحفّظ پر مبنی ہوتی تھی۔

o...... ہماری سیاست مَدِّ مقابل پر بہتان اور الزام تراشی پر مبنی ہوتی ہے۔

☆......اسلاف کی سیاست اپنے اعلیٰ کردار سے مَدِّ مقابل کو متاثر کرتی تھی۔

o...... ہماری سیاست کی وجہ سے شرعی اصول پامال ہوتے ہیں۔

☆......اسلاف کی سیاست شرعی اصولوں کے مطابق ہوتی تھی۔

یہ ہماری اور اسلاف کی سیاست میں فرق ہے یہی وجہ ہے کہ ہماری سیاست بدنام ہے عوام النّاس موجودہ سیاست سے برگشتہ ہو چکی ہے، سیاست اور سیاسی لوگوں سے کتراتی ہے، اُن کو اہمیت نہیں دیتی، اُن کے خلاف باتیں کرتی ہے اور دوسروں کو بھی موجودہ گندی سیاست سے دور رہنے کی تلقین کرتی ہے۔

اسلاف کی حکمرانی اور موجودہ حکمران

☆......اسلاف عُہدے اور حُکمرانی سے کنارہ کشی اختیار کرتے تھے۔

o......موجودہ حکمران کئی مرتبہ حکمران بننے کے بعد بھی حُکمرانی کے پیچھے بھاگتے ہیں۔

☆......اسلاف حُکمرانی کو وبالِ جان اور اُلٹی چُھری سے ذبح ہونا تصوّر کرتے تھے۔

o......موجودہ حکمران حُکمرانی کو سونے کی چڑیا تصوّر کرتے ہیں۔

☆......اسلاف تخت وتاج کوٹھوکر ماردیتے تھے۔

o......موجودہ حکمران اپنی حکمرانی کے لئے عوام کو ماردیتے ہیں۔

☆......اسلاف حکومت حاصل کر کے اسلام اور اسلامی قوانین کا تحفّظ کرتے تھے۔

o......موجودہ حکمران حکومت حاصل کر کے اسلام اور اسلامی قوانین کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆......اسلاف حُکمران بنتے ہی رعایا کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔

o......موجودہ حکمران صرف حکومت اور اپنی سیٹ کی خبر گیری کرتے ہیں۔

☆......اسلاف اپنی رعایا کے جان ومال کی حفاظت کرتے تھے۔

o......موجودہ حکمران بے چارے اپنی جان کی بھی حفاظت نہیں کر پاتے وہ عوام کی جان کی کیا حفاظت کریں گے۔

☆......اسلاف اپنے کردار سے ملک اور رعایا کے دلوں پر حکمرانی کرتے تھے۔

o......موجودہ حکمران بے چارے ملک پر بھی صحیح حکمرانی نہیں کر سکتے۔

☆......اسلاف بیت المال میں سے ناجائز ایک پائی بھی نہیں لیتے تھے۔

o......موجودہ حکمران ہر کام بیت المال کی رقم سے کرتے ہیں۔

☆......اسلاف کے دورِ حکومت میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملتا تھا۔

o......موجودہ حکمرانوں کے دور میں زکوٰۃ لینے والے ختم نہیں ہوتے۔

☆......اسلاف دوسرے ممالک کے حکمرانوں کو دینِ اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

o......موجودہ حکمران دوسروں کو دعوت تو کُجا خود بھی دین پر عمل نہیں کرتے۔

☆......اسلاف کے عدل وانصاف کی برکت سے پورے ملک میں خیر وبرکت ہوتی تھی۔

o......موجودہ حکمرانوں کی ناانصافیوں کی وجہ سے پورے ملک میں بے برکتی اور بے راہ روی پھیلی ہوئی ہے۔

☆......اسلاف ڈرتے تھے کہ کہیں ہم سے غلط فیصلہ نہ ہو جائے۔

o......موجودہ حکمرانوں کا کوئی فیصلہ صحیح ہوتا ہی نہیں مگر اس کے باوجود ماتھے پر بَل تک نہیں ہوتے۔

﴿اہلسنّت کا سیاسی بلاک، وقت کی ضرورت﴾

پاکستان ایک اسلامی اور فلاحی ریاست ہے۔ اس ریاست کے قیام کا مقصد فقط نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ تھا، اس ریاست کے قیام کے لئے علمائے اہلسنّت اور بیس لاکھ سے زائد عوام اہلسنّت نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے، مگر افسوس ہے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا، وہ نظام اس ملک میں ایک سیکنڈ بھی قائم نہ ہوسکا۔ اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں، ایک وجہ حکمران نااہل ہوگئے ہیں اور دوسری وجہ عوام اہلسنّت کو ایک مضبوط قیادت کا نہ ملنا ہے کیونکہ پاکستان بنانے میں حصّہ لینے والی علمائے اہلسنّت کی بھاری اکثریت ہندوستان میں رہ گئی جب کہ پاکستان کو ایک مضبوط و مستحکم قیادت نصیب نہ ہوئی۔

بالآخر وقت گزرتا جارہا ہے مگر اہلسنّت وجماعت کا سیاسی میدان ہمیشہ کی طرح بالکل خالی نظر آرہا ہے کسی دور میں بھی علمائے اہلسنّت یا اہلسنّت کے نمائندگان کی بھاری اکثریت الیکشن جیت کر اسمبلی میں نہیں آسکی۔ اس کی تین بنیادی وجوہات ہیں:

1)......اہلسنّت وجماعت کا کوئی بھی عالم دین یا نمائندہ الیکشن لڑنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو عوام اہلسنّت اسے اچھا نہیں سمجھتے، نہ ہی اس سے محبت کے ساتھ ملتے ہیں اور نہ ہی ان کے اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں۔

2)......اہلسنّت وجماعت کا کوئی نمائندہ الیکشن لڑنے کھڑا ہوتا ہے تو عوام اہلسنّت

اس کو اپنے ووٹوں سے مضبوط نہیں کرتے بلکہ الیکشن والے دن اپنے گھر سے ووٹ ڈالنے کے لئے نکلتے ہی نہیں۔

3)......اہلسنّت و جماعت کے نمائندہ لوگ انفرادی طور پر الیکشن لڑتے ہیں، ایک منظّم اور متحد جماعت ہو کر الیکشن نہیں لڑتے۔

ہماری انہی غلطیوں کی وجہ سے آج تک ملک میں بڑے لیول پر کوئی ہمارا نمائندہ نہیں آیا۔ جس شہر کو ہم نبی ﷺ کے غلاموں کا شہر، کراچی کہتے ہیں۔ آج تک ہمارا کوئی ناظم کراچی نہیں آیا۔ مذہبی امور کا انچارج بھی کوئی ہمارا سُنّی نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اہلسنّت و جماعت کو مساجد، مدارس، دارالعلوم، جلسوں، اجتماعات، جلوس اور دیگر معاملات کے لئے ہمیں بھیک مانگنی پڑتی ہے۔ آج ایوانوں میں ہماری کوئی سنوائی نہیں ہے۔ ہماری مساجدوں اور مزارات پر قبضے ہوئے مگر ہمیں کوئی انصاف نہ دلا سکا۔ سرکاری سطح پر علمائے اہلسنّت کا کوئی لٹریچر شائع نہیں ہوتا۔ جن علمائے اہلسنّت نے پاکستان بنایا، ہم تعلیمی نصاب میں ان علماء کے نام شامل نہ کرا سکے۔

الغرض کہ ہر شعبے میں ہمیں نظر انداز کیا گیا مگر ہم کچھ نہ کر سکے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس سیاسی قوت نہیں ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس طرف توجہ دیں۔ اہلسنّت و جماعت کی بڑی بڑی جماعتیں مل کر ایک سیاسی پلیٹ فارم بنائیں۔ بدمذہبوں سے اتحاد کے بجائے اہلسنّت کا اپنا ایک اتحاد قائم ہونا چاہیے۔ قائدین اہلسنّت اس بات کی طرف توجہ دیں کیونکہ یہ وقت کی ضرورت اور عوام اہلسنّت کے دل کی صدا ہے۔

انتساب

میری یہ کتاب فخرِ کائنات، محسنِ انسانیت، شہنشاہِ اعظم، سرکارِ اعظم، نورِ مجسم، رحمتِ عالم ﷺ کے نام،

آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نام،

آپ ﷺ کے پیارے اہلبیتِ اطہار علیہم الرضوان کے نام،

اپنے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور تمام ائمہ مجتہدین کے نام،

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام اولیائے کاملین کے نام،

اعلیٰ حضرت محدثِ بریلی علیہ الرحمہ اور میرے مُرشد کے نام

اور میری پیاری مّاں کے نام

خادمِ اہلسنّت

الفقیر محمد شہزاد قادری ترابی

☆☆

اپیل

اس کتاب میں مکمل کوشش کی گئی ہے کہ کسی مسئلہ میں غلطی نہ ہو لیکن بتقاضائے بشریت اگر کسی عبارت یا مسئلے میں غلطی ہوگئی ہو تو مؤلف کو مطلع کریں۔

مؤلف کا پتہ:......مکتبہ فیضانِ اشرف، نزد شہید مسجد کھارادر کراچی

فهرست مضامین

☆☆☆☆☆

فہرستِ مضامین